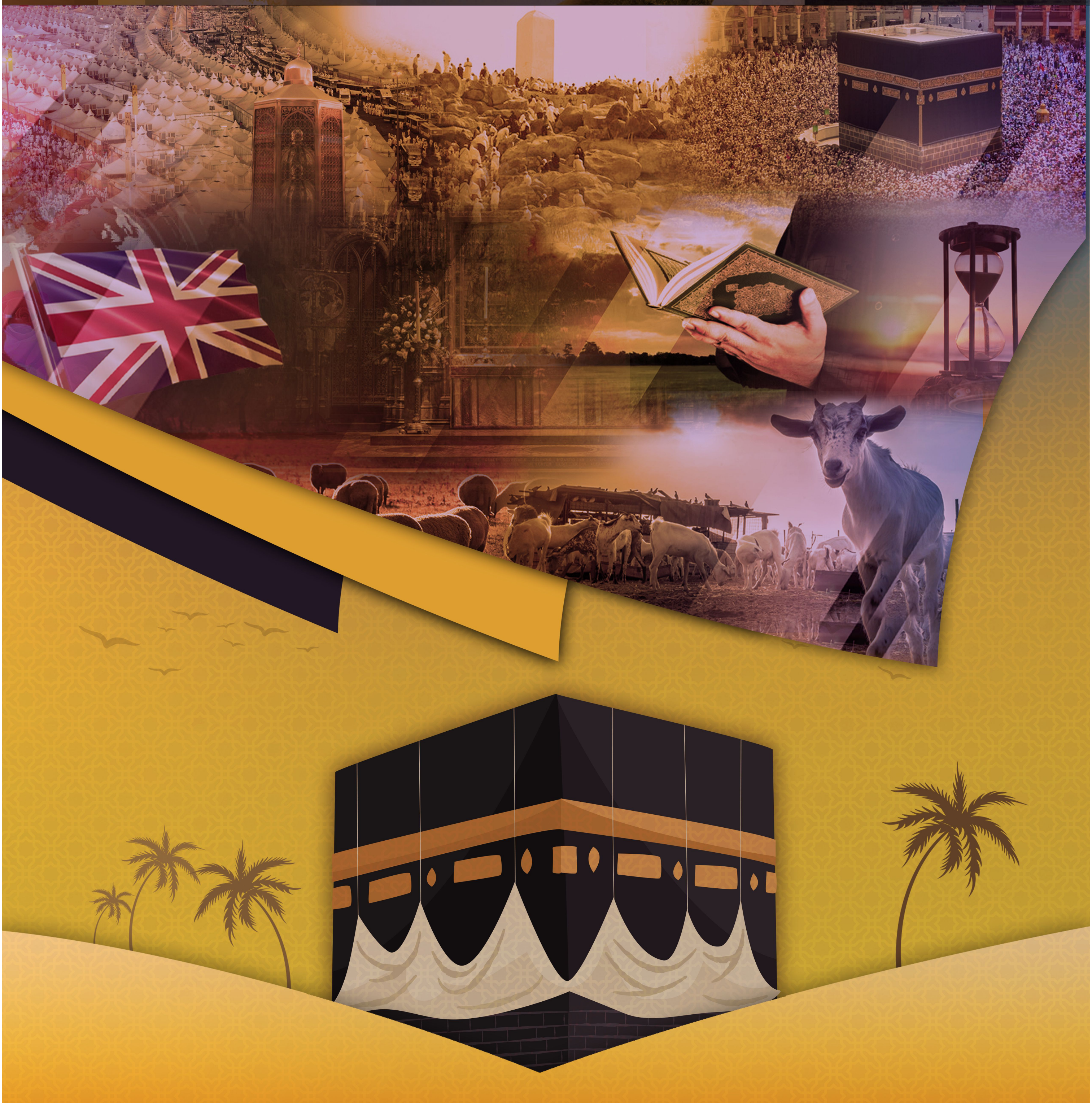
ماهنامه

صراطِ مستقیم

برمنگھم

June 2023



وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد
مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ
مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 43 No. 08 June 2023
Dhul-Qidah/Dhul Hijjah 1444 AH
جلد: 43 شمارہ: 08 جون 2023ء
ذوالقعدہ/ذوالحجہ: 1444ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk

(نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)



6/مئی 2023ء کو 74 سالہ چارلس کی باقاعدہ رسم تاجپوشی انگلینڈ کے مرکزی کنیسا میں چرچ آف انگلینڈ کے روحانی پیشوا نے ادا کی، اگرچہ کہ ان کی والدہ ملکہ الزبتھ کی وفات کے بعد سرکاری طور پر انہیں برطانیہ کے تخت شاہی کا وارث قرار دیا جاچکا تھا اور اس کا مشاہدہ دنیا کرچکی تھی لیکن تاجپوشی کی رسم چند ماہ بعد ادا کی گئی، اسی طرح ملکہ الزبتھ اپنے والد جارج کی وفات 16 فروری 1952ء کے ساتھ ہی ملکہ قرار دی جاچکی تھیں لیکن تاجپوشی کی رسم تقریباً 16 ماہ بعد 2/جون 1953ء کو ادا کی گئی۔

چارلس کے بادشاہ بننے میں کوئی بڑی رکاوٹ نہیں تھی کیونکہ وہ ملکہ الزبتھ کے بڑے بیٹے ہیں اور دستور شاہی کے مطابق سربراہ کی پہلی اولاد تخت شاہی کی وارث ہوتی ہے لیکن ضمنی کچھ امور تھے، انہوں نے اپنی پہلی شادی کی ناکامی کے بعد دوسری شادی کرلی، اور جس خاتون سے شادی کی ان کا تعلق عیسائیت کے کیتھولک فرقہ کے ساتھ ہے۔ وغیرہ وغیرہ لیکن دم توڑتی عیسائیت میں ان باتوں کو گوارہ کر لیا گیا، نہ صرف ان امور کو برداشت کر لیا گیا بلکہ تقریب تاجپوشی کو دراصل احیاء نصرانیت کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ نصرانی افکار و نظریات کی ترویج کی گئی۔ نصرانیت کے ٹمٹماتے مذہبی چراغ کو اس کے ذریعہ توانائی فراہم کی گئی، جیسے ملکہ کی موت اور مراسم جنازہ کے موقع پر کیا گیا۔ اس تقریب میں شرکت کے لیے چیندہ سیاسی، سماجی اور مذہبی افراد کو مدعو کیا گیا تھا انہیں مذہبی اور تخیلاتی مراسم کی انجام دہی کے لیے مکمل دو گھنٹے بٹھائے رکھا گیا، اور کنیسا کی حیثیت کو باور کرایا گیا کہ رسم تاجپوشی ہو یا ملکہ کی وفات یا تقریب شادی ہو یا غم اس کی انجام دہی کے لیے چرچ میں آنا ہوگا، مذہبی پیشوا ہی تاج شاہی اپنے ہاتھوں سے بادشاہ سلامت کے سرپر رکھے گا۔ وغیرہ وغیرہ

اس مناسبت سے خصوصی اہتمام کے ساتھ بائبل کا قدیم نسخہ حلف برداری کے لیے لایا گیا۔ قدیم روایات کو برقرار رکھتے ہوئے بطور نیک شگون چارلس کو بارہ سو سالہ قدیم کرسی پر بٹھایا گیا، شاہی لباس جسے زیب تن کرکے وہ چرچ میں طمطراق کے ساتھ داخل ہوئے تھے، اتار کر نہایت سادہ لباس جو عجز و انکساری کا نمونہ پیش کر رہا تھا پہنایا گیا، بیت المقدس سے لائے جانے والے روغن زیتون جو یروشلم کے بشب لئے حاضر ہوئے تھے۔ حصول برکت کے لیے چارلس پر ملا گیا، کیونکہ روغن زیتون کو نصرانی اور یہودی پیروکاروں کے ہاں خدائی تحفہ سے تعبیر کیا جاتا ہے قرآن مجید اور احادیث میں اس کے درخت، پھل اور تیل کی تعریف کی گئی جبکہ قدیم یونانی تہذیب میں شاخ زیتون کو امن اور امید کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔

پھر کنگ چارلس سراپا عجز و انکساری کا مجسم نمونہ بنے سرنگوں کچھ دیر کھڑے رہے کہ گویا بارگاہ ایزدی سے تخت شاہی پر متمکن ہونے کے لیے فیوض و برکات حاصل کر رہے ہیں، اور جب کچھ دیر بعد بشپ نے اشارہ دیا کہ فیوض حاصل ہو چکے ہیں دوبارہ انہوں نے خلعت شاہی زیب تن کیا، اور ہیرے جواہرات سے مزین تاج ان کے سرپر رکھا گیا، ان کے ہاتھوں میں عصا اور کرہ Orband تھمایا گیا جو نصرانی عقیدہ کے مطابق قوت و سطوت کی علامت ہے۔ حلف نامہ پڑھتے ہوئے دیگر امور کے علاوہ چارلس نے اعلان کیا کہ وہ نصرانیت کی نگہبانی کریں گے۔

Defender of The Faith، چارلس جب ولی عہد تھے، ایک موقع پر انہوں نے کہدیا تھا کہ میں خود کو کسی مخصوص مذہب کے محافظ کے بجائے تمام مذاہب کا محافظ کہلانا پسند کروں گا۔ اگرچہ کہ یہ بات برطانیہ کے بدلتے ہوئے سماجی اور مذہبی حالات کے پیش نظر حقیقت پر مبنی تھی۔ لیکن اس کے خلاف مسیحی دنیا اور برطانیہ کے کرسچن رہنماؤں نے طوفان کھڑا کر دیا، کیونکہ ان کے نظریہ کے مطابق برطانیہ کا سربراہ اصلاً نصرانیت کا محافظ ہوتا ہے۔ ضمناً دیگر مذاہب کا خیر خواہ ہو تو قابل قبول ہے لیکن اس کے اظہار کی ضرورت نہیں ورنہ تمام ادیان کو مساوی حیثیت دی جائے تو چرچ آف انگلینڈ کی امتیازی حیثیت متاثر ہوگی۔ کرسچن مشنریوں کی جانب سے پروپیگنڈہ اتنا شدید اور منظم تھا کہ ولی عہد کو ہتھیار ڈالنا پڑا اور تقریب حلف برداری میں نصرانیوں کی لکھی ہوئی عبارت کہ میں مذہب خاص نصرانیت کا محافظ رہوں گا کہنا پڑا۔

اس پر کئی دانشوروں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ چارلس کا خیال حقیقت پسندانہ تھا، لیکن مذہبی جنونیوں کے آگے کون ہمت کرے کیونکہ آج کا برطانیہ ان کی والدہ کی رسم تاجپوشی سے بہت مختلف برطانیہ ہے، اس وقت اس تقریب میں مختلف مذاہب کے لوگ شریک ہیں۔ برطانیہ متنوع ثقافتوں اور مذاہب کا ملک بن چکا ہے، اس کے ایک اہم حصہ اسکاٹ لینڈ کا وزیر اول حمزہ یوسف، ویسٹ منسٹر انگلینڈ کا میر حمزہ تاوزال دونوں باریش مسلمان ہیں، انگلینڈ کا وزیر اعظم ہندو رشی سناک، لندن کا میئر جو براہِ راست عوامی ووٹوں سے منتخب ہوتا ہے۔ صادق خان مسلمان ہے۔ وغیرہ وغیرہ جو اس وقت اس تقریب میں موجود ہیں، اور بادشاہ تو سب کا ہوتا ہے، اگر وہ کسی مخصوص مذہب ہی کا محافظ ہونے کا اعلان

کرے تو دیگر لوگوں کے مذہبی جذبات کی ترجمانی کیسے ہو سکے گی۔

لیکن میدان سیاست کے انداز اور پیمانے نرالے ہوتے ہیں، یہاں آدمی کو بار بار سچائی اور انصاف سے پیچھے ہٹنا ہوتا ہے، یہاں مفادات، خود غرضی، مکرو فریب اور خیانت کا راج ہوتا ہے، خود اگر اقتدار پر براجمان ہوں تو جو اصول اپنائے جاتے ہیں، اپوزیشن میں ہو کر وہی جرم اور قابل مواخذہ بن جاتے ہیں ۔

مختلف خاندانوں اور قبیلوں کی طرح شاہی خاندان میں بھی آپسی چپقلش اور ریشہ دوانیاں جاری ہیں، جو کبھی بڑھ جاتی ہیں اور کبھی کم اور کبھی مصنوعی طریقہ سے دبائی جاتی ہیں، کم سے کم فوٹو گرافوں کے سامنے مسکرا کر مصافحہ کرنا ہوتا ہے، چاہے دل کتنا ہی مجروح ہو۔

یہ دل لگی نہیں دل لگانا ہے کہ زخم کھا کے اس پہ مسکرانا ہے۔

شاہی محلات کی سازش تو تاریخ کا عبرتناک باب رہا ہے، زرق برق لباس، فلک بوس عمارتوں اور چچھاتی کاروں کے پیچھے کتنی خوفناک سازشیں جنم لیتی ہیں کہ قریب ترین رشتہ دار بھی ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوتے ہیں، جو حصول اقتدار کے لیے کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں، اس مسئلہ میں مسلم اور غیر مسلم ممالک کے درمیان کوئی فرق نہیں ۔ الا ماشاءاللہ

برطانیہ کے شاہی افراد میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن محدود سطح پر، تقریب تاجپوشی میں کنگ چارلس کے دوسرے فرزند ہیری کی شرکت بہت ساروں کے لیے باعث اطمینان رہی۔ ورنہ خدشہ ظاہر کیا جارہا تھا کہ شاید وہ شرکت ہی نہ کریں، کیونکہ کچھ عرصہ سے انہوں نے شاہی اعزازات اور ذمہ داریوں سے خود کو علیحدہ کر رکھا ہے، وہ زیادہ وقت اپنی امریکی بیوی کے ساتھ امریکا میں گزار رہے ہیں۔

یہ دنیا رنج وراحت کا غلط اندازہ کرتی ہے
خدا ہی خوب واقف ہے کہ کس پر کیا گزرتی ہے

برطانوی دستور کے مطابق بادشاہ اگرچہ کہ سربراہ مملکت ہوتا ہے لیکن وہ سیاسی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتا، یہ عہدہ اور منصب علامتی نوعیت کا ہوتا ہے، پارلیمنٹ کے خصوصی سیشن میں ان کی تقریر تو ہوتی ہے، نئی حکومت کی تشکیل کا آرڈر وہی دیتا ہے، لیکن یہ تقریر حکومت ہی کی تیار کردہ ہوتی ہے۔ اس طرح شاہی افراد عوامی تنقید اور تبصروں سے بڑی حد تک محفوظ رہتے ہیں، نہ وہ پالیسی ساز ہوتے ہیں، نہ سیاسی معاملات میں مداخلت کرتے ہیں، کسی پروگرام میں ان کی شرکت عموماً ایک اعزاز سمجھا جاتا ہے، دنیا میں بدلتے ہوئے رجحانات کے پیش نظر یہ محفوظ اسلوب دکھائی دیتا ہے، ورنہ اگر بادشاہ کے ہاتھ سیاسی زمام کار ہو تو کئی نقصانات اور خرابیوں کا سبب بنتی ہے۔ موجودہ ترقی یافتہ آزاد معاشرہ کے لیے یہ بات قابل قبول نہیں کہ شاہی فیملی میں پیدا ہونے والا شخص ہی پدرم سلطان بود کہتے ہوئے اقتدار پر متمکن ہو، چاہے وہاں تک پہنچنے میں اس کے ہاتھ کتنوں کے خون سے رنگین ہوئے ہوں اور کتنوں کی کھوپڑیوں پر قدم رکھتے ہوئے وہاں تک پہنچا ہو اس پر مزید یہ کہ اپنی کرسی کی حفاظت کے لیے ملکی دولت کا ایک وافر حصہ بے دریغ خرچ کیا جائے، جس کا عوامی خوشحالی یا ملکی ترقی سے کوئی تعلق نہیں، یہ دولت صرف بادشاہ کو سلامت رکھنے کے لیے خرچ ہوتی ہے۔ نیز جہاں ایسی بادشاہت ہے وہاں عوامی جذبات کا خون عام سی بات ہے۔ حتی کہ لب کشائی بھی قابل مواخذہ جرم متصور ہوتا ہے ۔ لیکن برطانوی طرز بادشاہت کا فائدہ یہ ہے کہ ملکہ الزبتھ کے طویل ترین دورانیہ کے باوجود وفات کے وقت کے اعداد وشمار کے مطابق تقریباً 62 فیصد لوگ نظام شاہی کی تائید بلکہ متوالے نظر آئے۔ اب بھی تقریب تاجپوشی اور سرکاری پریڈ اور شوکت شاہی کا مظاہرہ دیکھنے کے لئے سردی اور بارش کے باوجود طویل قطار میں لوگ بیتاب تھے۔

برطانوی فوجی پریڈ اور ڈسپلن ضرب المثل ہے، دنیا کی بڑی قوتوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

رسم تاجپوشی کے ساتھ ہی مذہبی رہنما بشپ نے خود ہی سب سے پہلے کنگ چارلس کی بیعت کی، پھر ولی عہد پرنس ولیم نے، اس کے بعد بیعت عامہ کا اعلان کر دیا گیا کہ بجائے اس کے کہ لوگ حاضر ہو کر انفرادی طور پر پیمان عہد ووفا کریں، اپنی اپنی جگہوں سے اقرار کرلیں کافی ہے۔ اس موقع پر شرکاء نے جذبہ خیر سگالی کا اظہار کرتے ہوئے دعا کی کہ

GOD SAVE KING CHARLES

کہ خدا شاہ چارلس کو سلامت رکھے

ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ رعایا کے لئے باعث خیر ثابت ہوں۔

پھر مخصوص دھن پر بینڈ باجے کے ساتھ مذہبی نغمے پڑھے گئے۔ کنڈیکٹر کے اشاروں پر عجیب انداز سے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ یہاں عبادت شائستگی، خشوع اور للّٰہیت کے بجائے بینڈ باجے اور موسیقی کی دھنوں کے گرد گھومتی ہے، ایسے ہی مشرکین عرب کے دنیا کی مقدس ترین سرزمین بیت اللہ میں عبادت کے نام پر غیر شائستہ حرکتیں کیا کرتے، مختلف آوازیں خصوصاً پرندوں کی آواز میں نکالتے اور تالیاں بجایا کرتے۔ عبادت کے نام پر اس غیر مہذب انداز کو انہوں نے اپنے بتوں کی خوشنودی اور تقرب کا ذریعہ بنایا تھا۔ اس تناظر میں سورہ الانفال کی آیت 35 کا مطالعہ اہمیت رکھتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً﴾

اس کی جھلک چرچ کے اندر دیکھنے میں آئی، دوسری طرف محفل قوالی اور صوفیانہ مجالس میں بھی اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں ۔ نصرانیوں نے مذہبی رسوم اور عبادات کو پرکشش بنانے کے لئے نت نئے وسائل اور انداز اختیار کئے، لیکن جب کبھی شعائر دینی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اس میں وقتی کشش تو دکھائی دیتی ہے، لیکن اس کو دوام اور بقا نہیں ۔

☆☆☆



خطبہ مسنونہ کے بعد: «أَعُوذُ بِاللهِ السَّمِيعِ العَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَنِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمَزِهِ وَنَفْثِهِ وَنَفخِهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ﴿إِنَّا اعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ . فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْهِ إِنّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ عشرہ ذوالحجہ کے دن بہت ہی بڑے بابرکت دن ہیں۔ ان دنوں میں شریعت کی ہدایت یہی ہے کہ کثرت سے نیک اعمال کیے جائیں اور جس نیک عمل کی شریعت نے بطور خاص تاکید کی ہے وہ اللہ کا ذکر ہے: ﴿وَاذْكُرُوا اللهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُو دَاتٍ﴾ "ان گنتی کے چند دنوں میں اللہ کا خوب ذکر کرو۔" (البقرۃ: 203) الترغیب والترہیب میں ایک حدیث ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «اكْثِرُوا فِيهِنّ مِنَ التّسْبِيح وَالتّحمِيدِ وَالتهْلِيل وَالتكْبِيرِ» ان دنوں میں کثرت سے تسبیح کرو، تحمید کرو، تہلیل کرو اور تکبیر کرو۔" (الترغیب والترھیب: 15/2) تسبیح سے مراد سبحان اللہ کہنا پسند ہے ہر اس شئے سے زیادہ جس جس شئے پر سورج کی دھوپ پڑتی ہے، یعنی پوری کائنات سے زیادہ یہ کلمات مجھے محبوب ہیں۔ یہ بات تو عام دنوں کی ہے لیکن ان دنوں میں اگر یہ کلمات کہے جائیں گے جن دنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَا مِنْ أَيَّامِ الْعَمَلُ الصّالِحُ فِيهِنّ أَحَبُّ إلى اللهِ مِن هَذه الأيام العشر» "جتنے بھی دن ہیں اس دنیا کے ان سب سے زیادہ ان 10 دنوں کی نیکیاں اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ہیں۔" (جامع الترمذی: 757) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے: «أَفْضَلُ أَيّامِ الدُّنْيَا الْعَشْرِ» "دنیا کے سب سے بہترین دن، افضل دن، یہ ذوالحج کے 10 دن ہیں۔" (الترغیب والترھیب: 15/2) یہ نیکی کثرت سے کی جائے۔ تکبیرات پڑھنا سلف صالحین کا معمول تھا: «اللهُ أَكْبَرَ اللهُ أَكْبَرُ لَا اله الا الله وَاللهُ أَكْبَرُ وَلِلّهِ الْحَمْدُ» ان تکبیروں سے فضائیں گونجنی چاہئیں۔ یہ دن بڑے مبارک ہیں۔ ان میں نیکیوں کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا اہمیت ہے؟ اجر و ثواب کی کیا مقدار ہے؟ اس کا شریعت نے ذکر نہیں کیا بلکہ اس کو ہم سے چھپالیا ہے۔ یہ چھپانا بھی در حقیقت ترغیب کی نشاندہی کرتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا، ان دنوں کے عمل کا، نیکیوں کا اللہ کے ہاں کیا صلہ ہے؟ ہاں ایک جھلک دکھائی ہے 9 ذوالحج۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السّنَةَ الّتِي قَبْلَهُ وَالسّنَةَ الّتِي بَعْدَهُ» "9 ذوالحج کا روزہ جو کہ یوم عرفہ ہے، اس روزے کا اجر یہ ہے کہ اللہ رب العزت اس ایک روزے کی برکت سے گزشتہ سال کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے اور آئندہ سال کے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔" (صحیح مسلم: 1162) یعنی سال گزشتہ جو گناہ آپ نے کیے ہیں وہ معاف ہو جاتے ہیں اور سال آئندہ جو گناہ آپ نے ابھی کیے ہی نہیں بلکہ کرنے ہیں وہ بھی اس روزے کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ یہ صغیرہ گناہ ہیں اور کبیرہ گناہ کی بخشش اس سے بھی آسان ہے اور وہ توبہ ہے۔ ایک انسان ندامت کے ساتھ سچی توبہ کرلے تو ایک ہی لمحے میں وہ سارے کبیرہ گناہ بخشوا سکتا ہے۔ یہ شریعت کی سماحت اور برکت ہے۔

اور پھر 10 ذوالحج جو ہمارا تہوار ہے، ہماری عید ہے، یہ دن یوم النحر کہلاتا ہے۔ اس دن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ یوم النحر کو انسان کا سب سے عمدہ عمل قربانی ہے، حالانکہ یوم النحر کو بڑے بڑے کام ہوتے ہیں۔ یوم النحر کو بیت اللہ کا طواف ہوتا ہے جس کو طواف افاضہ کہتے ہیں۔ صفا و مروہ کی سعی ہوتی ہے اور حجاج کرام اللہ کی رضا کے لیے اپنے سر منڈاتے ہیں۔ احرام اتارے جارہے ہیں۔ جمرات کو کنکریاں ماری جارہی ہیں جو شیطان سے بغض اور عداوت اور نفرت کا اظہار ہے۔ قربانی بھی کی جارہی ہے مگر فرمایا کہ آج کے دن سارے اعمال میں سب سے افضل عمل قربانی ہے۔ (جامع الترمذی: 1493، ضعیف) یہ قربانی کیا ہے؟ ہم یہ بحث کرتے رہتے ہیں کہ یہ فرض ہے یا سنت ہے؟ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی یہ سوال نبی ﷺ سے نہیں کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! قربانی کا حکم کیا ہے؟ سنت ہے یا فرض ہے؟ وہ تو یہ دیکھتے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے اور عمل بھی ایسا ہے کہ جس میں کبھی آپ نے ناغہ نہیں کیا۔ ہر سال کرتے تھے۔ جامع ترمذی میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ أَقَامَ رَسُولُ اللهِ بِالْمَدِينَةِ عَشَرَ سِنِينَ يُضَحِي "رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں 10 سال قیام کیا ہے اور ہر سال قربانی کرتے تھے۔ (جامع الترمذی: 1507، ضعیف) نبی ﷺ کی مالی حالت کیا ہے؟ کبھی کبھی تین چاند گزر جاتے اور آپ کے گھر میں چولہا نہ جلتا۔ ایسے مواقع بے شمار دفعہ آئے ہیں

مگر اس کے باوجود آپ ﷺ یہ قربانی ہر سال کرتے تھے۔

قربانی کیا ہے؟ یوم النحر کو ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جو اس کائنات میں اس سے قبل کبھی رونما نہ ہوا۔ نہ آج تک ہوا ہے اور نہ قیامت تک رونما ہو گا۔ چشم فلک نے بھی ایسا منظر دیکھا ہی نہیں۔ ایک باپ اپنے بیٹے کو الٹا لٹا کر اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہا ہے۔ جس کو دعائیں مانگ مانگ کر حاصل کیا تھا۔ بڑی ایک تاریخ ہے اس کے پیچھے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ابراہیم خلیل اللہ کو نبوت کا تاج پہنا دیا اور توحید کی دعوت کا حکم دیا تو اپنے گھر سے اس مشن کا آغاز کیا۔ باپ نے انکار کیا، دھمکیاں دیں، جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیں۔ تم کو پتھر مار مار کے ختم کر دوں گا۔ گھر سے نکال دوں گا۔ قوم کے سامنے دعوت دی۔ قوم نے انکار کیا، ناروا سلوک کیا۔ اور معاملہ نمرود وقت کے پاس پہنچا۔ اس نے بھی انتہائی ناروا سلوک کیا، بلکہ اس کے دربار میں مناظرہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی عزت و عصمت کو وہاں قائم رکھا۔ ان کو کامیابی ہوئی۔ یہ کافر لاجواب ہوا اور پھر پوری مملکت اور پوری سپاہ اور پوری قوم ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے درپے ہو گئی۔

ایک ایسی آگ روشن کی گئی کہ اس سے بڑی آگ دیکھی نہیں گئی۔ اس میں اکیلے ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کے لیے، اس میں آپ کو ابھی ڈالا نہیں گیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک ہی دعا پڑھی: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ ”ہمیں اللہ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔“ اور اللہ کافی ہوا: ﴿وَقُلْنَا يَا نَارُكُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ﴾ ”ہم نے کہا کہ اے آگ ٹھنڈی ہو جا۔ اتنی ٹھنڈی نہیں کہ تیری ٹھنڈک سے میرے بندے کو نقصان ہو اور کپکپی طاری ہو جائے بلکہ اتنی ٹھنڈک جس میں سلامتی ہو، ایسی بن جا۔“ (سورۃ الانبیاء: 69) اور آگ ایسی بن گئی۔ ابراہیم علیہ السلام صحیح سالم آگ سے باہر آ گئے۔

یہ ایک معجزہ تھا جس کو پوری قوم نے دیکھا۔ لیکن قوم پھر بھی ایمان نہ لائی۔ حالانکہ یہ معجزہ ابراہیم علیہ السلام کی صدق نبوت کا ایک واضح نشان تھا مگر قوم نے پھر بھی نہ مانا۔ ابراہیم علیہ السلام اس قوم کو دعوت دیتے رہے، دیتے رہے حتی کہ یہ معجزہ بھی ظاہر ہو گیا اور پھر ایک دن آپ نے اعلان کر دیا: ﴿إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ ”میں اپنے اس وطن کو چھوڑ رہا ہوں اور اپنے اہل خانہ کو چھوڑ رہا ہوں اور اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں ہجرت کر کے۔“ (سورۃ الصافات: 99) اس قوم نے اس دعوت کا اہتمام نہیں کیا اور اس کو قبول نہیں کیا۔ اب میں دوسروں کے پاس جاتا ہوں وہاں دعوت توحید دینے کے لیے۔ بس وہ تھے اور ان کی بیوی تھی اور اس ملک سے باہر نکل گئے۔ تو یقیناً یہاں ایک ضرورت تھی ایک ایسے فرد کی جو انسیت اور محبت کا ذریعہ بنے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے سرفراز نہیں فرمایا تھا اور آپ کو شدت سے اور بے قراری سے بچے کی خواہش تھی۔ جس سے محبت کریں۔ انسیت ہو اور پھر آگے جوان ہو کر یہ بچہ اس دعوت توحید کا علمبردار ہو۔ اس مشن کا وارث ہو۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ ”اے اللہ! مجھے نیک بیٹا عطا فرما دے۔“ (سورۃ الصافات: 100-101) اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کر لی۔ ﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾ ”ہم نے ایک حلیم بیٹے کی بشارت دے دی۔“ اللہ کو معلوم تھا اس بیٹے نے حلم کا کردار ادا کرنا ہے۔ ایسا حلم، ایسا صبر، ایسا عمل کہ چھری کے نیچے بھی آہ نہیں کرے گا۔ ایسا یہ غلام حلیم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک حلیم بیٹے کی بشارت دے دی۔ اور اللہ نے بیٹا دے دیا۔ مگر «أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الأنبياء» ”سخت ترین تکلیفیں نبیوں پر آتی ہیں۔“ (مسند احمد: 36916) امتحان ختم نہیں ہوئے۔ بیٹا تو مل گیا اور انسیت کا کھلونا ایک مل گیا۔ خوبصورت اور پیارا کھلونا۔ مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابراہیم! اپنے اس بیٹے کو اور اس کی ماں کو بھی تنہا چھوڑ آؤ۔ ایک جنگل میں، ایک بیابان میں جہاں کوئی آبادی نہیں ہے۔ کوئی مسکن نہیں ہے۔ یہ مکۃ المکرمہ بالکل ایک بے آباد علاقہ تھا۔ یہاں اللہ کا گھر بنانا تھا اور یہ بھی تقدیر الٰہی کہ یہ گھر بھی ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے نے بنانا تھا۔ اس نے قیامت تک قائم رہنا تھا اور لوگوں نے اس گھر کا قصد کرنا تھا۔ اللہ کا قبلہ اور پھر طواف کا مرکز، لوگوں کے دلوں میں اس کی کشش، یہ بھی ابراہیم علیہ السلام کے لیے ایک مستقل اجر کی اساس تھا۔ کوئی سوال نہ کیا کہ یہ وہاں کیسے رہیں گے؟ کیسے گزارا کریں گے۔ بس چھوڑ کر آ گئے۔ بیوی نے پوچھا بھی کہ کہاں جا رہے ہیں؟ ہمیں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ لیکن پلٹ کر دیکھا نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ دیکھوں اور بچے کی شفقت غالب آ جائے، اس ارادے میں کوئی تاخیر ہو جائے۔ آسمان کی طرف اشارہ کیا، بیوی سمجھ گئی کہ اللہ کا امر ہے اور کہا کہ اگر اللہ کا امر ہے تو پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ دعا کرتے ہوئے وہاں سے نکلے: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ ”یا اللہ! ایک بے آباد مقام پر اپنے اہل کو چھوڑ کے جا رہا ہوں، اپنی ذریت کو چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہاں جہاں تیرا گھر ہے، تیرا گھر بنے گا یا بن چکا تھا اور پھر وہ گرا دیا گیا، گر گیا زمانے کے گزرنے کے ساتھ۔ یا اللہ اس لیے تاکہ یہ نمازوں کو قائم کریں۔ یا اللہ ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما دے تاکہ تیرا شکر ادا کرتے رہیں۔“ (سورۃ ابراہیم: 37) اور پھر وہاں سے واپس آ گئے۔ اور گاہے بگاہے اپنے بیٹے کو ملنے جاتے تھے۔ کچھ دن

گزارتے واپس آجاتے۔ پھر اسی اثناء میں ایک بار پھر ملنے گئے، بیٹا چلنے پھرنے کے قابل ہو چکا ہے۔ اور پھر ملنے گئے۔ شفقت پدری اور بیٹے کا پیار اور بیٹے کی محبت، اتنے پاکیزہ جذبات۔ چنانچہ انہی جذبات کے تحت فلسطین سے مکہ مکرمہ ملنے کے لیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کی ایک اور آزمائش منتظر تھی۔ خواب میں دیکھا اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں اور انبیاء کا خواب اللہ کی وحی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کو امر الٰہی سمجھا۔ ایک بار خواب آئی، دو بار خواب آئی، تین بار خواب آئی۔ جس بیٹے کی شفقت اور محبت میں ملنے کے لیے جارہے ہیں اسی بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم آگیا۔ بیٹے کو ساتھ لے لیا اور جہاں ذبح کرنا تھا اور جہاں اللہ کا امر تھا یا اللہ کو منظور تھا کہ یہاں ذبح ہو، منیٰ کی گھاٹی جہاں آئندہ لوگ آکر جانور ذبح کریں، وہاں پر لے گئے اور اپنے بیٹے کو اپنا خواب سنایا: ﴿إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ﴾ ”میں نے خواب میں دیکھا تجھے ذبح کر رہا ہوں تیرا کیا خیال ہے؟“ یہ کیوں پوچھا؟ ذبح کر ڈالتے۔ یہ سوال کیوں کیا؟ اس میں اگر ذبح کر ڈالتے تو اسماعیل علیہ السلام کی اطاعت ظاہر نہ ہوتی۔ پوچھا: میرے بیٹے! تیرا کیا خیال ہے۔ اور یہ بات وہ جانتے تھے کہ بیٹا فرمانبردار ہے اور یہ غلام حلیم ہے۔ بیٹے نے کوئی اعراض یا انکار نہ کیا: ﴿قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ﴾ ”ابا جان! یہ خواب نہیں اللہ کا امر ہے۔ اسے فوراً کر گزریے۔“ اس کی فوراً تکمیل کیجیے۔ تاخیر کس بات کی ہے؟ تاکہ بیٹا بھی اس آزمائش میں سرخرو ہو کر داخل ہو جائے۔ اگر لاتے ہی لٹا کر ذبح کر ڈالتے تو بیٹے کی مناقب ظاہر نہ ہوتی لیکن پوچھ کر اور اس کی رائے معلوم کر کے اور اس کی رائے بھی سراسر اطاعت کی تھی، اور اللہ کے امر پر قربان ہو جانے کی تھی، وہ بھی اس بشارت میں اور اس منقبت میں داخل ہو گئے اور شریک ہو گئے۔

قرآن کہتا ہے: ﴿فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ﴾ ”جب دونوں باپ اور بیٹا میرے فرمانبردار بن گئے تو باپ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔“ سیدھا بھی لٹا سکتے تھے لیکن محض یہ سوچ کر کہ سیدھا لٹاؤں تو چھری پھیرتے وقت بیٹے کا چہرہ سامنے آجائے تو پھر رکاوٹ نہ بن جائے، شیطان اپنا وار نہ کر جائے۔ پیشانی کے بل لٹایا تاکہ بیٹے کے چہرے کو نہ دیکھ پاؤں۔ اب چھری پھیر رہے ہیں اور چھری پھر نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ﴾ ہم نے ابراہیم کو پکارا: ﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾ ”ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔“ اللہ فرما رہا ہے: تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ سچا کرنے سے کیا مراد ہے؟ ظاہر تو یہ ہے کہ اللہ نے امر دیا اور باپ ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گیا اور بیٹا ذبح ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ یہ ظاہری سچ ہے۔ لیکن اللہ رب العزت کے فیصلے صرف ظاہر پر نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن پر ہوتے ہیں۔ اللہ کی فہرست میں سچا وہ ہے جو ظاہر میں سچا ہو اور باطن میں سچا ہو۔ جس کا دل بھی اس کے ظاہری عمل کے ساتھ ساتھ اللہ کے لیے مخلص ہو، اللہ کے لیے سچا ہو، اللہ کی رضا کے لیے اور اس کے حصول کے لیے سچا اور صادق ہو، اللہ تعالیٰ ظاہر اور باطن کو دیکھ کر کسی انسان کے سچا ہونے کا فیصلہ کرتا ہے۔ ہم نے ندا دی: ابراہیم! تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ تم ظاہر و باطناً صادق ہو۔ بچے ہو، صادق ہو اور تم نے واقعتاً اس آزمائش میں سرخروئی حاصل کر لی اور پوری طرح کامیاب ہو گئے۔ اور فرمایا: ﴿سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ﴾ ”سلام ہو ابراہیم پر۔“ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: ابراہیم پر سلام ہو۔ کتنی بڑی عظمت ہے! کتنی بڑی عظمت ہے! ﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ ”ہم نے ان کے بیٹے کی قربانی کے عوض میں ان کو ذبح عظیم دیا۔“ ایک دنبہ جنت کا، جنت میں کھا کر پلا ہوا تھا، اللہ نے وہ بھیج دیا۔ چھری پھر نہیں رہی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام پریشان تھے۔ اللہ کے امر میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ اور پھر چھری اچانک پھر گئی۔ ابراہیم علیہ السلام خوش ہو گئے۔ آنکھوں سے پٹی کھول دی۔ دیکھا کہ چھری کے نیچے دنبہ ہے۔ اسماعیل علیہ السلام ایک پہلو میں کھڑے ہوئے ہیں اور اللہ کے امر کے منتظر ہیں۔ جنت کا دنبہ اللہ نے عطا فرما دیا۔ اور ساتھ فرمایا: ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ﴾ ”ہم نے اس یادگار کو یہاں ختم نہیں کر دیا بلکہ پچھلوں تک اس کو باقی رکھا۔“ (سورۃ الصافات: 102-109) یہ یادگار قیامت تک قائم رہے گی اور لوگ بڑے شوق و ذوق سے قربانی کریں گے۔ یہ قربانی کی تاریخ ہے۔ ہمیں اللہ رب العزت نے ایک بڑے امتحان سے بچایا ہے اور محفوظ رکھا ہے۔ بڑا امتحان بچوں کی قربانی کا ہے۔ اللہ بے پروا ہے، کوئی بھی حکم دے سکتا تھا مگر یہ آسان سا حکم ہمیں دے دیا گیا اور وہ قربانی کا ہے۔ بڑے شوق و ذوق سے قربانی کریں، اچھے اچھے جانور لائیں۔ ان کی قربانی کریں۔ یہ سال میں ایک بار وقت آتا ہے سنت ابراہیمی کے احیاء کا۔ اور اللہ رب العزت نے یہ شوق اپنے بندوں کے دلوں میں داخل کر دیا ہے، بندے بڑے شوق سے یہ قربانی کرتے ہیں۔ اور میدان منیٰ میں 10 ذوالحج کو قربانیاں ہوں گی۔ 25 سے 30 لاکھ حاجی، اور ہر حاجی کم از کم ایک قربانی ضرور کرے گا۔ اللہ کے امر کی تعمیل جس کا آغاز، نقطہ آغاز ایک عظیم تاریخ ہے۔ ایک عظیم امتحان ہے جس سے ابراہیم علیہ السلام سرخرو ہوئے اور کامیاب ہوئے اور ہمیں یہ ایک یادگار دے دی گئی۔ یہ قربانی کیا ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار، ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ اللہ پاک کا فرمان ہے: ﴿وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ ”یہ قربانیاں کیا ہیں؟ یہ اللہ

کے شعائر میں سے ہیں۔" (سورۃ الحج : 36) اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے تمہارے پاس۔ یہ قربانی کے جانور اللہ کی نشانیاں ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ "جو اللہ کے شعائر کی، اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتے ہیں ان کے دل در حقیقت تقویٰ سے بھرے پڑے ہیں، وہ متقی ہیں۔ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں۔" (سورۃ الحج: 32) اللہ کی جو بھی نشانیاں ہیں ان کو پوری تعظیم سے ادا کرتے ہیں، اور یہ قربانی کے جانور بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اللہ نے یہ عجیب مخلوق ہمارے لیے پیدا کی اونٹ، گائے، بکرے، دنبے۔ یہ ایک عجیب اور پیاری مخلوق پیدا کی ہماری قربانیوں کے لیے۔ ان کو اپنا شعائر قرار دیا اور شعائر کی تعظیم کو دلوں کا تقویٰ قرار دیا۔ تو ہم بھی ان کی تعظیم کریں۔ ان کی تعظیم یہ نہیں ہے کہ ان کو آپ کسی اچھے قالین پر بٹھا دیں، اور غبارے باندھ دیں، گھنگر و باندھ دیں، رنگ لگا کر بازاروں میں گھمائیں پھرائیں۔ یہ کوئی تعظیم نہیں ہے۔ تعظیم وہ ہوتی ہے جس میں شریعت کے حقوق کی ادائیگی ہو۔ جانور اچھا خریدا جائے، خوبصورت خریدا جائے، پلا ہوا اور قیمتی ہو، اور پھر اس جانور کو کھلایا جائے، پلایا جائے، اس کی خدمت کی جائے۔ کیونکہ اللہ کی نشانی ہمیں ملی ہے۔ اس کی خدمت کی جائے اس کو بھوکا نہ مارا جائے۔ اچھے سے اچھا کھلایا جائے اور پھر اس کے ذبح کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ» "جانور ذبح کرو اچھے طریقے سے کرو، اپنی چھری تیز کر لو اور اپنے ذبیحے کو آرام پہنچاؤ تا کہ جلدی اس کی جان نکل جائے، وہ تڑپتا نہ رہے۔" (صحیح مسلم: 1955) ذبح میں قساوت قلبی نہ ہو، دل کی قساوت نہ ہو بلکہ تعظیم کا پہلو ہو، احترام کا پہلو ہو، اس جانور سے محبت کا پہلو ہو۔ یہ محبت اس جانور سے نہیں، یہ محبت اللہ کے شعائر سے ہے اور اللہ کی نشانی سے ہے۔ اور اللہ کی جو بھی نشانی ہو تمہارے پاس اس کی قدر اور تعظیم کرو۔ نماز اللہ کا فریضہ ہے۔ یہ بھی اللہ کی نشانی ہے۔ حسن اہتمام سے ادا کرو۔ سنت کے مطابق ادا کرو۔ وقت کی پابندی سے ادا کرو۔ خشیت قلبی سے ادا کرو کیونکہ اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ روزہ اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ اچھے طریقے سے رکھو، پورے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ۔ صدقہ ہے، زکاۃ ہے، حج ہے۔ یہ سارے اللہ کے شعائر ہیں، تمہیں دیے گئے ہیں۔ ان کا خوب اہتمام کرو اور خوب احترام کرو۔ تو ان شعائر میں سے قربانی ہے۔ قربانی کا احترام ہو، قربانی کی تعظیم ہو اور تعظیم یہ بھی ہے کہ اس میں 2 پہلو بطور خاص ملحوظ رکھو۔ ایک اخلاص کی حفاظت دوسرا نعرۂ توحید۔ یہ سراسر اللہ کی توحید کی اساس پر ہے۔ آج کے دن یہ نعرے فضاؤں میں گونج رہے ہیں۔ میدان منیٰ ایک ہی میدان ہے جہاں 25 سے 30 لاکھ حاجی قربانی کر رہے ہیں اور ہر وقت ہر لمحہ سینکڑوں بار یہ نعرے گونج رہے ہیں: «اللّٰهُمَّ مِنْكَ، وَلَكَ» "یا اللہ! یہ قربانی تیری طرف سے ہے اور تیرے ہی لیے ہے۔" تَقَبَّلْهُ مِنِّي وَمِنْ أَهْلِ بَيْتِي "یا اللہ! یہ قبول کر لے میری طرف سے اور میرے گھر والوں کی طرف سے اور پھر «بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ» "اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ بہت بڑا ہے۔" یہ نعرۂ تکبیر کا نعرہ، اللہ کی توحید کا نعرہ۔ یہ قربانی کی اساس ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی پوری زندگی توحید کی ترجمان تھی اور اس قربانی میں بھی توحید کی تحقیق ہو۔ بندہ اس توحید کو سمجھے، اگر دل میں ہی بت خانہ ہے تو تیری قربانی کیا قبول ہو گی۔ اگر دل میں شرک کے اڈے قائم ہیں تو تیری قربانی کہاں قبول ہو گی۔ اگر تیرے تعلقات ان درگاہوں کے ساتھ ہیں جہاں پر شرک ہوتا ہے، قبروں کے طواف ہوتے ہیں اور قبروں پر وہ لوگ مجاورت کرتے ہیں، تیری قربانی کہاں قبول ہو گی۔ اگر اللہ کی توحید کے ساتھ غیروں کو شریک کرتے ہو، تمہاری قربانی کہاں قبول ہو گی۔ اللہ کی ربوبیت میں غیروں کو شریک کرتے ہو کہ فلاں بھی روزی دے سکتا ہے؟ فلاں بھی مشکل کشائی کر سکتا ہے، فلاں بھی حاجت روائی کر سکتا ہے اور فلاں بھی دستگیری کر سکتا ہے تو ایک کیا لاکھوں قربانیاں کر لو کوئی فائدہ نہیں۔ تو ایک توحید کی تحقیق، توحید کے درس کو سمجھو، ابراہیم علیہ السلام کی سیرت کو سمجھو، ان کے کردار کو سمجھو جو سراسر توحید کے ترجمان تھے۔ انہوں نے قوم کو چھوڑا توحید کے لیے، گھر کو چھوڑا توحید کے لیے۔ آگ میں گئے توحید کے لیے، نمرود کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر توحید کا پیغام پہنچایا۔ پوری زندگی توحید سے عبارت تھی۔ حتی کہ ہجرت کی توحید کے لیے، اپنے اہل خانہ کو تنہا جنگل میں چھوڑا اللہ کی توحید کے لیے۔ کل یہاں اللہ کے امر سے اللہ کے گھر کی تعمیر کرنی ہے۔ بیت اللہ توحید کا مرکز، جہاں پر طواف ہوتے ہیں، جو خالص اللہ کے لیے عبادت ہے اور جہاں پر تلبیے گونجتے ہیں «لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ» تو اگر تیرے دل میں شرک کی بیماری ہے تو تیری قربانی کہاں قبول ہو گی۔

دوسرا درس یہ ہے کہ قربانی میں اخلاص متفق ہو، ریا کاری نہ ہو، اخلاص کب سے شروع ہو؟ جب آپ جانور خریدنے جائیں اپنے دل کو اخلاص سے آمادہ کر کے جائیں۔ یہ سارا عمل اللہ کے لیے ہے۔ دنیا کے لیے نہیں ہے۔ دنیا کی شہرت کے لیے نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ قربانی اگر نہ کروں تو دنیا کیا کہے گی۔ نہیں یہ عمل اللہ کی رضا کے لیے ہے اور اخلاص کے لیے ہے۔ جانور خریدو، اچھا خریدو، مہنگا خریدو، پلا ہوا

خریدو، اس کی قیمت کی تشہیر نہ کرو کہ ٹی وی والے آ رہے ہیں، جانور کے فوٹو بن رہے ہیں، اس کی تشہیر ہو رہی ہے۔ بڑے فخر سے اس کی قیمتیں بتائی جا رہی ہیں۔ یہ سارا ریا کا پروگرام ہے۔ دکھلاوے کا پروگرام ہے۔ اس سے قطعاً قربانی قبول نہیں ہوتی۔ خالق کائنات کا فرمان ہے: ﴿لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَ لَا دِمَاؤُهَا وَ لَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ﴾ "اللہ تک تمہاری قربانی کا خون یا گوشت نہیں پہنچتا بلکہ تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے۔" (سورۃ الحج: 37) اور اللہ رب العزت تمہارے دلوں کے اخلاص کو دیکھتا ہے۔ «إِنّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» "ہر عمل سے قبل اللہ رب العزت تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا، تمہارا مال نہیں دیکھتا، تمہاری باڈیاں نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور پھر تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔" (صحیح مسلم: 2564) مگر پہلی نظر تمہارے دلوں کی طرف ہوتی ہے۔ تو قربانی توحید کا درس ہے اور اخلاص کا درس ہے۔ قربانی اطاعت کا درس ہے۔ یہ سارا عمل محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہے۔ پیارے پیغمبر ﷺ مدینہ میں دس سال رہے اور قربانی کا حکم مدینہ میں آیا۔ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ اللہ نے قربانی کا حکم دیا۔ یہ آیت مکی ہے مگر باقاعدہ اس کی مشروعیت جو ہے مدینہ سے شروع ہوئی۔ 10 سال آپ نے مدینہ میں قیام کیا۔ ہر سال قربانی کی۔ یہ پیارے پیغمبر کی سنت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس سنت کو ملحوظ رکھتے اور قربانی کرتے۔ ایک تابعی ابو کباش ان کی کنیت ہے۔ وہ قربانی کے جانور کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک سال جانور کا ریوڑ لے کر مدینے میں آ گئے۔ اس سال مدینے میں کچھ کساد گزاری تھی۔ معیشت کی تنگی تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کے ریوڑ کی طرف کوئی رخ نہیں کر رہا اور جانور خریدے نہیں جا رہے اور سارے کے سارے مینڈھے یا دنبے تھے جو لے کر آئے تھے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے شیخ، ان کے استاد صحابی رسول، ان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اس کساد گزاری کا ذکر کیا کہ لوگ اس طرف رخ نہیں کر رہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رخ کرنا چاہیے۔ میں نے پیارے پیغمبر ﷺ کی حدیث سنی ہے: «نِعْمَتِ الْأُضْحِيَةُ الجِذْعُ مِنَ الضَّانِ» "کہ سب سے بہترین قربانی تو دنبے اور مینڈھے کی قربانی ہے۔" یہ حدیث لوگوں تک پہنچ گئی۔ فرماتے ہیں کہ لوگ یہ حدیث سن کر میرے ریوڑ پر ٹوٹ پڑے، اس طرح خرید رہے ہیں جیسے لوٹ مار ہو رہی ہے۔ مہنگے سے مہنگے دام دے کر خریدتے جا رہے ہیں۔ (جامع ترمذی: 1499 ضعیف) یہ پیارے پیغمبر کے صحابہ ہیں، اور پیارے پیغمبر کی امت کے افراد میں سنت کی اتباع کا جذبہ ہے۔ اور اللہ کے پیغمبر کے امر کی تعمیل کا جذبہ ہے اور ظاہر ہے کہ خلاف سنت کوئی پروگرام قابل قبول نہیں ہے۔ ابو بردہ بن نیار نے عید سے قبل اپنا جانور ذبح کر دیا۔ پیارے پیغمبر عید گاہ کی طرف جا رہے ہیں، اس کے گھر کے پاس سے گزرے۔ دیکھا کہ ان کے گھر سے نالی سے بہتا ہوا خون آ رہا ہے۔ پوچھا: یہ خون کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا: ابو بردہ بن نیار کا گھر ہے۔ ان سے پوچھ لیں یہ خون کیسا ہے۔ بلایا گیا۔ یہ کیا خون دکھائی دے رہا ہے؟ عرض کیا کہ میں نے اپنا جانور ذبح کر لیا ہے۔ کیوں؟ نماز سے قبل کیوں؟ عرض کیا کہ میرے پڑوسی غریب ہیں۔ میرا جذبہ یہ ہے کہ آج ان کو گوشت کے لیے انتظار نہ کرنا پڑے اور پہلے ان کے گھروں میں میرا گوشت پہنچے۔ یہ کھائیں گے مجھے خوشی ہو گی۔ یہ سارے اللہ کے پیغمبر کے صحابی، رسول اللہ ﷺ نے اس جذبے کے تحت ان کو شاباش نہیں دی۔ کیونکہ جذبہ صرف وہ قابل قبول ہے جو سنت رسول کے تابع ہو۔ یہ دین تڑپ کا نام نہیں ہے۔ ذاتی جذبات کا نام نہیں ہے۔ ذاتی پسند کا نام نہیں ہے۔ یہ دین اللہ کے پیغمبر کی اتباع کا نام ہے۔ ایک انسان کی وہ طلب، وہ جذبہ اور وہ شوق اور وہ پسند جو اللہ کے پیغمبر کی سنت کے تابع ہو وہ محمود اور قابل تعریف ہے۔ لیکن وہ جذبہ اور وہ شوق جو اللہ کے پیغمبر کی سنت کے خلاف ہو وہ قطعاً قابل تعریف نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صاف فرمایا: «تِلْكَ شَاةُ لَحْمٍ» ابو بردہ تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی۔ یہ ایک عام جانور تم نے ذبح کر لیا۔ گوشت کھا لیا، کھلا دیا۔ قربانی قبول نہیں ہوئی، تمہیں دوسری قربانی کرنی پڑے گی۔ (صحیح بخاری: 983) تو قربانی کے باب نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ قربانی کیا ہر معاملہ ضروری ہے کہ اللہ کے پیغمبر کی سنت کے تابع ہو۔ یہ قربانی کے درس ہیں۔ درس توحید، درس اخلاص، درس اتباع۔ اللہ کے پیارے پیغمبر کی سنت کی اتباع۔ اور پھر ایک اور درس کے لیے تیار ہونا۔ وہ درس کیا ہے؟ یہ قربانی ایک تربیت ہے، کیسی تربیت؟ کہ انسان اس جانور کی قربانی کے ذریعے ہر قربانی کا عزم کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور قربانی کے تعلق سے تم سے سودا کر رکھا ہے۔ فرمایا کہ ﴿إِنّ اللّٰهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمُ بِأَنّ لَهُمُ الْجَنّةَ﴾ اللہ نے خرید لیا ہے مومنین سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض (سورۃ التوبہ: 111) ہر مومن سے سودا ہو چکا ہے کہ جنت چاہیے تو اپنی جانیں، اپنے مال ضرورت پڑنے پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے تیار رہو۔ یہ قربانی ایک تمہید ہے اس سودے کی تیاری کے لیے۔ دین اسلام پر ایسا وقت آ جائے، دین اسلام کو ہمارے مال کی ضرورت ہو، ہم مال قربان کر دیں گے، لٹا دیں گے۔ دین اسلام کو ہماری جان کی ضرورت ہو اپنی جان قربان کر دیں گے۔ تو یہ قربانی تمہید ہے اس قربانی کی جو اصل قربانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص سے جنت کے بدلے اس کی جان اور مال کا سودا کر رکھا ہے۔ یہ سودا ہو چکا ہے۔ تو دین اسلام کو جب بھی ضرورت پڑی ہمارے مال کی ہم مال خرچ کریں گے۔

جب بھی ضرورت پڑی ہماری جانوں کی جانیں قربان کر دیں گے۔ یہ تربیت صحابہ نے حاصل کی تھی، اس تربیت پر وہ قائم تھے۔ عام سے عام صحابی بھی اس پر قائم تھا، ایک شخص کو اللہ کے نبی ﷺ نے جہاد کے بعد طلب کیا اور کہا: یہ سارا ڈھیر تمہارا مال غنیمت ہے اس کو سمیٹ لو۔ اس نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں یہ ڈھیر سمیٹ لوں تو اس کے گننے میں مشغول ہو جاؤں گا۔ مجھے دنیا کی کوئی طلب اور حرص نہیں ہے۔ اتبَعْتُكَ عَلَى أَن أرمَى إلَى هَاهُنَا، میں نے تو کلمہ پڑھا ہے تاکہ اسی میدان جہاد میں یہاں تیر لگے، گردن پے ہاتھ رکھا، اور میں شہید ہو جاؤں۔ میرا تو یہ عزم ہے۔ اس عزم کے لیے مجھے مال کی کیا ضرورت ہے؟ اس ڈھیر کی کیا ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں اس ڈھیر میں مشغول ہو جاؤں، اس کی حفاظت میں کمربستہ ہو جاؤں۔ تو مجھے یہ مال نہیں چاہیے، ضرورت نہیں ہے۔ میرا شوق تو کچھ اور ہے۔ میری طلب تو کچھ اور ہے اور پھر اگلے معرکے میں یہ شخص پیغمبر ﷺ کے ساتھ موجود تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ «إن تَصْدقِ اللهَ يَصْدُقكَ» "اگر تم سچے دل سے یہ بات کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہاری صداقت کی لاج رکھے گا۔" اگلے معرکے میں موجود تھا اور شانہ بشانہ لڑ رہا ہے، جہاد کر رہا ہے۔ اور بالآخر ایک تیر پیوست ہوا اس کی گردن میں جہاں انگلی رکھی تھی اور یہ صحابی شہید ہو گیا۔ میدان جہاد کے بعد نبی ﷺ نے اس کی لاش کو دیکھا، تیر وہیں لگا ہوا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: «اصدق الله فَصَدَقَهُ» "سچا تھا اللہ نے اس کی صداقت کی لاج رکھی۔" (سنن نسائی: 1955) دیکھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس طرح اپنے آپ کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ کھڑے کھڑے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ اور دین پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ ابو طلحہ انصاری بڑے گھنے باغ کے مالک تھے۔ ایک بار باغ میں نفل ادا کر رہے تھے۔ ایک پرندہ باغ میں آ گیا۔ اب وہ نکلنے کے جتن کر رہا ہے۔ اس کو نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا۔ دل ہی دل میں خوش ہو گئے کہ میرا باغ کتنا گھنا ہے اور کتنے اس میں پھل ہیں کہ ایک پرندے کو نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا۔ نماز میں پرندے کو دیکھتے رہے اور پرندے کو دیکھ کر اپنے باغ کے گھنے پن پر خوش ہوتے رہے۔ اور پھر اس طرح نماز پوری کی۔ نماز کے بعد کہا کہ ابو طلحہ! افسوس! اپنے خالق اور مالک کے سامنے کھڑے تھے، بجائے اپنے قلب کی حضوری کے، اللہ کی طرف توجہ کے، تمہاری توجہ باغ کی طرف تھی۔ پرندے کی طرف تھی۔ باغ سے پھلوں کی طرف تھی اور باغ کے گھنے پن کی طرف تھی۔ فوراً ایک عزم کر لیا اور اللہ کے پیغمبر کے پاس گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا یہ سارا باغ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے، اس باغ میں کبھی داخل نہ ہوں گا۔ اس باغ نے مجھے نوافل سے غافل کر دیا، میری نماز کی توجہ سے غافل کر دیا۔ یہ سلف صالحین کی تربیت ہے۔ اللہ اکبر۔ کیسی تربیت کہ صرف اپنی نماز کی حفاظت کے لیے اور وہ بھی نوافل کی حفاظت کے لیے اور توجہ الی اللہ کی حفاظت کے لیے، حضور قلبی کی حفاظت کے لیے اپنے پورے باغ کو قربان کر دیا۔ یہ قربانی بھی ایک تمہید ہے اصل قربانی کی تربیت کے لیے، دین اسلام پر اگر کبھی ایسی آزمائش آ جائے کہ ضرورت ہو تمھارے مال کی تو مال لٹا دو، ضرورت ہو تمہاری جان کی تو جان بھی خرچ کر دو اور کوئی پروا نہ کرو۔

قابل افسوس وہ لوگ ہیں مغرب زدہ جو اپنے محلات میں بیٹھ کر اس قربانی پر تنقید کرتے ہیں کہ قربانی کیا ہے؟ اس دن کروڑوں جانور قربان ہوتے ہیں۔ یہ ایک ظلم ہے۔ جانور کی نسل کشی ہے۔ پیسے کا ضیاع ہے۔ یہ پیسہ اچھے کاموں میں صرف ہو سکتا ہے۔ کئی بہو بیٹیوں کے جہیز تیار ہو سکتے ہیں اور کئی ہسپتال بن سکتے ہیں، شفاخانے بن سکتے ہیں۔ یہ بے چارے مسکین لوگ، مغرب زدہ، ان کو شریعت کے رموز کا علم نہیں ہے کہ شریعت نے قربانی کے تعلق سے ایک امتحان لے رکھا ہے۔ یہ ایک امتحان ایک دن آپ پر قائم ہوتا ہے تاکہ آپ کے جذبہ قربانی کو آزمایا جائے۔ ایسے لوگ اس وقت یہ سوچ لیں جب یہ اپنی کوٹھیاں بنا رہے ہوتے ہیں۔ جب کوٹھیوں کے باتھ روم بنا رہے ہوتے ہیں۔ ایک باتھ روم پر 10، 10 لاکھ خرچ کر دیتے ہیں، اس وقت سوچ لیں کہ یہ ایک بے کار سا عمل، یہ 10 لاکھ ہم کسی کے جہیز میں خرچ کر دیں، حالانکہ جہیز بھی ایک لعنت ہے۔ شادی میں عورت کی طرف سے کسی خرچے کی کوئی گنجائش نہیں، کسی خرچے کی، کسی سامان کی کوئی گنجائش نہیں سارا خرچہ مرد کی طرف سے ہے۔ حق مہر کی صورت میں، ولیمے کی صورت میں۔ ہاں جو لوگ بچی کو لینے جاتے ہیں تو بچی کے اہل خانہ اس اہتمام میں اگر ضیافت کر لیں، آنے والوں کو کھانا کھلائیں، ان کی مہمان نوازی کریں، مہمان نوازی ہمارے دین کے حقوق میں شامل ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے اپنی وسعت کے مطابق کپڑے دیتا ہے، کوئی پیسہ دیتا ہے دے سکتا ہے لیکن جہیز نام کی اصطلاح میں دین اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ تمہارے اس قول میں ایک حلال کام کی حرمت اور ایک حرام کام کی حلت ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ شریعت سے محاذ آرائی ہے پوری کی پوری۔ جو شریعت کا حکم ہے اس کو ختم کرنا چاہتے ہو اور جس سے شریعت نے روکا اس کے تم دروازے کھول رہے ہو۔ نسل کشی جانوروں کی، تم جانوروں کے خالق ہو کہ تمہیں اپنی اس نسل پر افسوس ہو رہا ہے۔ یہ خالق اور مالک تو اللہ ہے اور جس قدر جانور ذبح ہوتے ہیں اس قدر ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ یہ جانور قیامت تک ذبح ہوں گے تو ان کی تعداد کو پیدا کرنا اللہ کی ذمہ داری ہے اور اللہ

رب العزت پیدا کر رہا ہے۔ ایک بکری ایک وقت میں ایک بچہ جنتی ہے اور بکریوں کے ریوڑ کے ریوڑ ہم دیکھتے ہیں۔ گائے، بھینسوں کے، اونٹوں کے ریوڑ کے ریوڑ ہم دیکھتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک کتیا ایک وقت میں چھ چھ سات سات بچے جنتی ہے، کبھی آپ نے کتوں کا ریوڑ دیکھا ہے؟ حالانکہ ان کی کوئی قربانی بھی نہیں۔ ان جانوروں کی قربانی ہونے کے باوجود، ایک بچہ پیدا کرنے کے باوجود ان کا ریوڑ کا ریوڑ یہ میرے پروردگار کی قدرت ہے۔ اور اس کی توفیق اور اس کا امر ہے۔ اس کا یہ امر قیامت تک ہے اور قیامت تک یہ نسل قائم رہے گی۔

نسل کشی کی تمہیں کیا فکر ہے؟ کیا فکر تم کو نسل کشی کی؟ اللہ کا امتحان، پیغمبر علیم کی سنت، پیغمبر ﷺ کا عمل، آپ نے کبھی اس میں انقطاع نہیں کیا، کبھی اس میں ناغہ نہیں کیا۔ تو ان لوگوں کی یہ روش انتہائی قابل افسوس ہے۔ شریعت میں تحریف اور تبدیلی کے مترادف ہے۔ یہ اللہ کا امر قیامت تک قائم رہے گا۔ اور پیسے کا ضیاع نہیں ہے۔ اس میں تو کئی خاندانوں کا، میں کہتا ہوں کہ لاکھوں، ہو سکتا ہے کروڑوں خاندانوں کا رزق اس عمل سے وابستہ ہو۔ لوگ گاؤں، دیہاتوں میں جانور پالتے اور پھر عید قربانی کے موقع پر ان جانوروں کو ٹرکوں کے ذریعے لاتے ہیں۔ ٹرکوں والوں کے لیے آمدنی، پھر لاکر فروخت کرتے ہیں ایک بابرکت منافع کے ساتھ، یہ ان کی آمدنی، ان کے بچوں کی روزی، پھر لوگ خریدتے ہیں، خرید کر 2 دن، 4 دن، 10 دن، ان جانوروں کو چارہ کھلاتے ہیں، چارے والے لاکھوں افراد کی آمدنی، پھر جانور ذبح ہوتے ہیں اور قصاب ذبح کر کے مزدوری وصول کرتے ہیں، اس مزدوری کے تحت وہ کئی مہینوں کا رزق اپنے اہل کے لیے جمع کر لیتے ہیں۔ پھر گوشت بنتا ہے اور گوشت تقسیم ہوتا ہے، امیر بھی کھاتے ہیں اور غریب بھی کھاتے ہیں اور پوری دنیا کھا رہی ہے۔ کس قدر برکت! اس کا چمڑا جو ہے وہ غریبوں کے لیے ہے اور غریبوں پر صدقہ ہوتا ہے۔ اسے فروخت کر کے مزید وہ مال حاصل کر سکتے ہیں۔ اداروں کی سرپرستی ہو سکتی ہے۔ لوگ ان کو خریدتے ہیں۔ خریدنے کے بعد بڑے بڑے کاروباری ان کو بیچتے ہیں۔ اس چمڑے سے مصنوعات تیار ہوتی ہیں۔ ان مصنوعات سے کاروبار ہوتا ہے۔ مرکزی سطح پر، انٹرنیشنل سطح پر کاروبار ہوتے ہیں۔ کتنے افراد اس سے وابستہ ہیں! اور پھر اس جانور کی آنتیں، اور ان کے ناخن اور دانت ہر چیز کی تجارت ہے اور ہر چیز کا جو ہے کاروبار ہے۔ یہ ایک دن آتا ہے اور ہزاروں لاکھوں لوگوں کے خاندانوں کی معیشت کا مرکز بن جاتا ہے۔ اور سبب بن جاتا ہے۔ اللہ کا امر کس قدر بابرکت ہے۔ کتنا عظیم ہے اور کتنی اس میں عظمتیں ہیں۔ اللہ رب العزت ان لوگوں کو جن کے ذہن مغرب کے امراض سے مسموم ہیں ہدایت دے دے۔ ان کے دلوں میں تقویٰ، توحید کی پاکیزگی، سنت رسول کی محبت، اخلاص کی محبت جاگزیں ہو جائے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس موقع پر سرخرو فرمادے۔ ہم سب کا امتحان ہے، جانور خریدیں اور اللہ کے شعائر کی تعظیم کریں، اچھے طریقے سے ذبح کریں، اخلاص کی حفاظت کے ساتھ، توحید کے فہم کے ساتھ اور اللہ کے پیغمبر کی سنت کی اتباع کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توحید کی، اخلاص کی، سنت کی متابعت کی محبت عطا فرمادے۔ کسی ساتھی نے سوال کیا ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ کس دن رکھنا چاہیے؟ یوم عرفہ سعودی تقویم کے لحاظ سے ہم سے ایک دن پہلے ہوتا ہے، اس دن ہمارا 8 ذوالج ہوتا ہے تو وہاں 9 ذوالحج ہوتا ہے اور یوم عرفہ وہاں ہم سے ایک دن پہلے ہوتا ہے۔ ہم کب رکھیں؟ جواب: بھائی روزہ اگر 8 کو رکھنا ہے سعودی تقویم کے مطابق تو پھر قربانی بھی 9 کو کرو سعودی تقویم کے مطابق۔ یہاں جو امر ہے اللہ رب العزت کا حج کے تعلق سے، رمضان کے تعلق سے، عیدین کے تعلق سے اور ان ماہ و سال کے تغیرات کے تعلق سے تو یہ چاند کی رؤیت سے ہے۔ ہم اپنی چاند کی رؤیت کا اعتبار کریں گے۔ آپ ایسا کریں کہ آج سے 2 سو سال پہلے چلے جائیں۔ آج تو وسائل بے شمار ہیں۔ سعودی چاند کا آپ کو علم ہو جاتا ہے۔ 2 سو سال پہلے سعودی چاند کا علم کسی کو نہیں ہوتا تھا۔ وہ لوگ صرف چاند کا اعتبار کر کے روزہ رکھتے تھے، عید کرتے تھے، رمضان کرتے تھے۔ وہی چیز اصل ہے۔ اصل یہ وسائل نہیں ہیں، یہ میڈیا نہیں ہے۔ اصل شریعت کا حکم ہے اور شریعت کا حکم چاند کے ساتھ ہے۔ اور پھر روزہ اجتماعی عمل ہے اور یہ قربانی بھی اجتماعی عمل ہے۔ یہ انفرادی عمل نہیں ہے کہ دنیا قربانی نہیں کر رہی اور ایک شخص قربانی کر رہا ہے کہ سعودی عرب میں آج عید ہے۔ یہ انفرادی عمل نہیں ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: «الأضْحَى يَوْمَ يُضَحِّي النَّاسُ» "قربانی اس دن ہے جس دن سب قربانی کریں۔" (جامع ترمذی: 809) تو چونکہ ہماری اپنی ایک رؤیت ہے۔ اس کا ہم اعتبار کریں گے۔ اور اس کا اعتبار کر کے جو ہمارا 9 ذوالحج ہے اس کے تحت ہم روزہ رکھیں گے نا کہ سعودی تقویم کے مطابق۔ ہاں! اگر ہمارے حکام، ہماری گورنمنٹ اپنے کیلنڈر کو سعودی کیلنڈر سے منسلک کر دے اور پھر سعودی اطلاع ہم کو پہنچ جائے تو پھر تو قابل قبول ہو گی کیونکہ اجتماعی عمل ہے انفرادی عمل نہیں ہے۔ پھر تو یہ قابل قبول ہو سکتی ہے، یعنی انفرادی اعتبار سے نہیں، لہٰذا ہم اپنے چاند کا اعتبار کر کے روزہ رکھیں گے اور جس دن ہمارا 9 ذوالحج ہو گا اس دن ہم روزہ رکھیں گے اور 10 ذوالحج کا دن ہمارا یوم النحر ہو گا، قربانی کا پہلا دن اس کے بعد تین دن مزید قربانی کے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمادے۔

☆☆☆



ذوالحجہ کا پہلا عشرہ یعنی اس کے ابتدائی 10 دن سال کے سارے دنوں میں سب سے زیادہ برکت والے دن ہیں، ان کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، ان میں نیکیاں کمانے کے متعدد مواقع ہیں، ان کی فضیلت کے بہت سے دلائل ہیں:

1۔ ذوالحجہ کے ابتدائی 10 دنوں کی پہلی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ان دنوں کی قسم کھائی ہے۔ ارشاد ہے:

﴿وَالْفَجْرِ 0 وَلَيَالٍ عَشْرٍ 0 وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ 0 وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ 0 هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِذِي حِجْرٍ﴾(سورۃ الفجر:1۔5)

"قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے، کیا ان میں عقلمند کے واسطے کافی قسم ہے؟"

10 راتوں سے اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں مراد ہیں۔ (تفسیر طبری، ابن کثیر)

2۔ ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان کی قسم کھاتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ کئی دیگر اہم چیزوں کی بھی قسم کھائی ہے۔ ان اہم چیزوں کی عظیم الشان اہمیت کو دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ عشرہ کی بھی اہمیت وعظمت واضح ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ فجر کی قسم کھائی گئی جو ایسا قیمتی وقت ہے جس وقت اندھیرے کے بعد اجالا بکھرتا ہے، سکون کے بعد حرکت واپس آتی ہے، نیند جو چھوٹی موت ہے ختم ہو کر بیداری اور زندگی شروع ہوتی ہے، اس وقت دن اور رات کے فرشتے اکٹھا ہوتے ہیں، یہ رات کی آخری تہائی سے بہت قریبی وقت ہے جب کہ رب ذوالجلال آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور فجر کے وقت کی صلاۃ ہی وہ صلاۃ ہے جس سے مومن ومنافق کی پہچان ہوتی ہے۔

اس کے ساتھ جفت اور طاق کی قسم کھائی، جفت اور طاق میں ساری مخلوق آجاتی ہے، مخلوق یا تو جفت ہے یا طاق، اس سے ہٹ کر نہیں، ذوالحجہ کے دس دنوں میں بھی ایک اہم طاق موجود ہے جو عرفہ کا دن ہے، نو تاریخ کو ہے، اور ایک اہم جفت موجود ہے، اور وہ قربانی کا دن ہے، جو دس تاریخ کو ہے۔

اس کے ساتھ میں رات کی قسم کھائی گئی جو دن سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے، قرآن پاک میں رات کا ذکر دن سے زیادہ ہے، رات ہی نفلی صلاۃ اور تہجد کا وقت ہے، رات ہی رب کے ساتھ تنہائی کا وقت ہے جس میں اخلاص کی اور ریاء ونمود سے سلامتی کی زیادہ امید ہے، رات ہی کی ایک گھڑی میں وہ مبارک لمحہ بھی آتا ہے جب رب کریم اپنے بندوں سے قریب ہو کر دنیا کے آسمان پر اتر کر ان کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے: "کیا ہے کوئی مانگنے والا جسے میں عطا کروں؟ کیا ہے کوئی سوال کرنے والا جسے میں دوں؟ کیا ہے کوئی مغفرت کا طلبگار جس کو مغفرت عطا کروں؟"

رات کو بستروں سے پہلو الگ رکھنا، شب بیداری کرنا اہل جنت کا امتیاز ہے، ارشاد ہے:

﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (سورۃ السجدۃ:16)

نیز ارشاد ہے: ﴿كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ﴾ (سورۃ الذاریات:17)

"قرآن مجید میں ایک اور مقام پر رات کو سجود وقیام میں گذارنے کو رحمٰن کے حقیقی بندوں کی علامت بتائی گئی ہے۔"

ارشاد ہے: ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا 0 وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا﴾ (سورۃ الفرقان: 63۔64)

"رحمٰن کے سچے بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔ اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گذار دیتے ہیں۔"

یاد رہے کہ پوری صلاۃ کے اندر قیام اور سجدے کی دو حالت ایسی ہے جو اللہ تعالی کو سب سے زیادہ پسند ہے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَفْضَلُ الصَّلَاةِ طُولُ الْقُنُوتِ»(صحیح مسلم: 164 (756)

"سب سے افضل صلاۃ وہ ہے جس میں لمبا قیام کیا جائے۔"

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ "اس حدیث میں قنوت سے بہ اتفاق اہل علم قیام مراد ہے۔" (صحیح مسلم معہ شرح نووی:3/94 (1257)

قیام ہی وہ حالت ہے جس میں اللہ کے مبارک کلام کی تلاوت کی جاتی ہے۔

سجدے کی حالت کا پسندیدہ ہونا کئی احادیث سے ظاہر

ہوتا ہے جس میں سے ایک حدیث وہ ہے جس کے اندر رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ» (صحیح مسلم: 226 (489)

"سب سے زیادہ اپنے رب سے قریب بندہ سجدے کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا (اس حالت میں) زیادہ سے زیادہ دعائیں کرو۔"

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ (سورۃ العلق:19)"سجدہ کر اور قریب ہو جا۔"

نیز وہ حدیث بھی سجدہ کے محبوب ہونے کی دلیل ہے جس میں ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے جنت کے اندر رفاقت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ»

"زیادہ سے زیادہ سجدے کر کے اپنے آپ پر میری مدد کرو۔"(صحیح مسلم:226 (489)

اس تعلق سے اور بھی کئی احادیث ہیں۔

☆ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ یہی وہ ایام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی تکمیل کی ہے یعنی ان دنوں میں ہر نوع کی عبادت کو اکٹھا کر دیا ہے، تکمیل دین وہ گراں قدر عطیہ ہے جس سے اہل دین کی تکمیل ہوتی ہے، ان کے اعمال وکردار اور اجر وثواب کی تکمیل ہوتی ہے، حیات کاملہ نصیب ہوتی ہے، اطاعت وفرماں برداری میں لذت ملتی ہے، گناہوں سے حفاظت ہوتی ہے، مخلوقات کی محبت ملتی ہے، سنتوں کو فتح سے ہمکنار اور بدعتوں کو شکست سے دوچار ہونا ہوتا ہے، ایمان اور اہل ایمان کو طاقت وقوت ملتی ہے ، نفاق اور اہل نفاق ذلت وپستی میں گر جاتے ہیں، تکمیل دین سے نفس امارہ پر، شیطان لعین پر اور ناروا خواہشات پر غلبہ نصیب ہوتا ہے، اللہ کی عبادت میں نفس پُرسکون ہوتا ہے، قرآن مجید کے اندر تکمیل دین کا اعلان بھی اسی عشرہ میں ہوا ہے، جس کی بنا پر یہودی ہم سے حسد کا شکار ہوگئے، ایک بار ایک یہودی عالم نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کی کتاب قرآن مجید میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم یوم نزول کو عید بنالیتے، وہ آیت ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (سورۃ المائدۃ:3)

"آج میں نے تمھارے لئے تمھارے دین کو کامل کر دیا، اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا، اور تمھارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کب اور کہاں نازل ہوئی ہے؟ جمعہ کے دن میدان عرفات میں نازل ہوئی ہے۔(صحیح بخاری: 4330)

یہاں قابل غور یہ ہے کہ دین کامل میں اضافہ کی گنجائش نہیں، وہ خود فطری تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے، اس واقعہ میں بھی اس آیت کا نزول جس اعتبار سے ہوا ہے وہ خود یوم عید بھی ہے اور مقام عید بھی، جمعہ کے دن ہفتہ کی عید ہے اور میدان عرفات کا اجتماع عظیم الشان سالانہ عید ہے۔

☆ذوالحجہ کے ابتدائی 10 دنوں کی چوتھی فضیلت یہ ہے کہ یہی وہ ایام ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا اتمام کیا ہے یعنی ان دنوں میں ہر قسم کی عبادت کو جمع کر کے روح کی غذا اور اس کی لذت کا سامان کر دیا ہے، اتمام نعمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اللہ نے اسلام کے لئے اپنے بندوں کے سینے کھول دیئے، وہی سرزمین عرب جہاں یہودیت ونصرانیت اور مجوسیت ووثنیت کا غلغلہ تھا اسلام کا پرچم سربلند ہوا، ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ (سورۃ الفتح: 28)

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہی دینے والا۔"

اسی اتمام نعمت کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ حرم کا داخلہ مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور کفار ومشرکین کو حرم میں داخل ہونے سے روک دیا گیا۔

☆ذوالحجہ کے ابتدائی 10 دنوں کی پانچویں فضیلت یہ ہے کہ یہی وہ ایام ہیں جن میں ہر قسم کی عبادات جمع ہیں، ان دنوں میں کلمۂ شہادت کے اقرار، تجدید ایمان اور کلمہ کے تقاضوں کی تکمیل کا بھرپور موقع ہے، ان دنوں میں صلاۃ پنجگانہ اور دیگر نفلی صلوات بھی ہیں، ان دنوں میں صدقہ وزکاۃ کی ادائیگی کا موقع بھی ہے، ان دنوں میں صوم کی عبادت بھی ادا کی جاسکتی ہے، یہ دن حج و قربانی کے دن تو ہیں ہی، البتہ حج وقربانی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ صرف انہیں دنوں میں ادا کئے جاسکتے ہیں دیگر ایام میں نہیں، ذکر ودعا اور تلبیہ پکارنے کے بھی یہ ایام ہیں۔

ہر قسم کی عبادت کا ان دنوں میں اکٹھا ہو جانا یہ وہ شرف واعزاز ہے جو ان دس دنوں کے ساتھ مخصوص ہے، اس اعزاز میں اس کا کوئی اور شریک نہیں۔

☆ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی چھٹی فضیلت یہ ہے کہ یہ وہ ایام ہیں جن کا ایک ایک لمحہ، ایک ایک منٹ اور سکنڈ انتہائی قیمتی ہے، ان دنوں میں اللہ رب العزت کی طرف سے اعمال صالحہ کی شدید محبوبیت کا اعلان عام ہے، یہ وہ خصوصی پیشکش (اسپیشل آفر) ہے جو سال کے بقیہ دنوں میں حاصل نہیں ہے، یہ نفع کمالینے کا موسم ہے، یہ نیکیوں میں مقابلہ کرنے کا وسیع میدان اور سنہرا وقت ہے، حدیث میں ہے:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:«مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ

الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذَلِكَ بِشَيْءٍ»(صحیح بخاری: 926؛ مسند احمد:1968)

”عشرۂ ذوالحجہ میں کیے گئے عمل صالح اللہ کو جس قدر زیادہ محبوب ہیں اتنا کسی اور دن میں نہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: حتی کہ جہاد فی سبیل اللہ بھی اتنا پسندیدہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں سوائے اس شخص کے جو اپنا جان ومال لے کر نکلا لیکن کچھ بھی لے کر واپس نہیں ہوا۔“

حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں کے نیک اعمال سے بقیہ دنوں کے کسی عمل کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا حتی کہ جہاد سے بھی نہیں جس کے فضائل معروف ومشہور ہیں، نہ جانی جہاد سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور نہ مالی جہاد سے، اور نہ بیک وقت دونوں جہاد سے اگر آدمی کی جان یا مال کچھ بھی سلامت رہ گئے، البتہ جو شخص جان ومال دونوں لے کر اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر کچھ بھی لے کر واپس نہ ہو، سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کردے اور اپنی قیمتی جان اللہ کی راہ میں قربان کرکے شہید ہوجائے۔ یہی تنہا وہ شخص ہے جو ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں نیک اعمال سے اپنا خزانہ معمور کرنے والے کا مقابلہ کرسکتا ہے۔

ذرا غور کریں کہ ایسی ہمت اور ایسا موقع کس میں ہے کہ سارا جان ومال اللہ کی راہ میں قربان کردے؟ اس کے مقابلہ میں یہ کس قدر آسان ہے کہ اللہ کی طرف سے دیئے گئے اس خصوصی پیشکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عشرۂ ذوالحجہ میں اعمال صالحہ کے ذریعہ اپنا دامن مراد بھر لیا جائے!!

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:«أفضل أيام الدنيا أيام العشر» (صحیح الجامع الصغیر:1133)

”دنیا کے ایام میں افضل ترین ایام ذوالحجہ کے ابتدائی 10 دن ہیں۔“

☆ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی ساتویں فضیلت یہ ہے کہ انھیں میں سے ایک دن عرفہ کا بھی دن ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: «مَا مِنْ يَوْمٍ أَكْثَرَ مِنْ أَنْ يُعْتِقَ اللهُ فِيهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ، وَإِنَّهُ لَيَدْنُو ثُمَّ يُبَاهِي بِهِمِ الْمَلَائِكَةَ فَيَقُولُ مَا أَرَادَ هَؤُلَاءِ؟» (صحیح مسلم:436 (1348)

” عرفہ کے دن سے زیادہ اللہ تعالیٰ کسی اور دن جہنم سے آزادی نہیں عطا فرماتا، اللہ تعالیٰ قریب ہوتا ہے پھر ان (عرفہ میں ٹھہرے ہوئے لوگوں) کے ذریعہ اپنے فرشتوں سے فخر کرتا ہے اور کہتا ہے: یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟“

نیز ارشاد ہے :«صَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَن يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ» (صحیح مسلم: 196 (1162)

”صوم عرفہ سے متعلق مجھے اللہ تعالی سے امید ہے کہ سال گذشتہ اور آئندہ کا کفارہ ہوجائے گا۔“

واضح رہے کہ حدیث میں مذکور فضیلت حاجیوں کے علاوہ دیگر لوگوں کے لئے ہے۔ جو حاجی میدان عرفات میں موجود ہوں انھیں افطار سے (یعنی بلا صوم) رہنا چاہئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے (متفق علیہ) تاکہ ان میں ذکر و دعا کے لئے قوت رہے۔

حاجیوں کے لئے عرفہ میں ٹھہرنا ہی حج کا رکن اعظم ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«الْحَجُّ عَرَفَةُ» (سنن ابوداود:814؛ سنن نسائی:203)

”حج عرفہ ہی ہے۔“

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«خَيْرُ الدُّعَاءِ دُعَاءُ يَوْمِ عَرَفَةَ وَخَيْرُ مَا قُلْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ قَبْلِي: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»(موطا امام الک: 500؛ جامع ترمذی:3509)

”عرفہ کے دن کی دعا تمام دعاؤں سے بہتر ہے، اور سب سے افضل کلمہ جو میں نے اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء نے کہا ہے وہ یہ ہے:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

”اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے، تعریفیں اسی کے لئے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

☆ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی آٹھویں فضیلت یہ ہے کہ ان کا دسواں اور آخری دن یوم النحر ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول مکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «إِنَّ أَعْظَمَ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ» (سنن ابو داود:1765؛ صحیح ابن حبان:2811)

”بے شک اللہ تعالی کے یہاں تمام دنوں سے عظیم ترین دن یوم النحر (قربانی کا دن) ہے، پھر اس کے بعد والا دن۔“

یوم النحر وہ دن ہے جس میں حج کے بیشتر اعمال انجام دیئے جاتے ہیں، اس دن جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنا ہے، قربانی کرنا ہے، سر کے بال کٹوانا یا منڈوانا ہے، طواف زیارت اور سعی کرنی ہے، ایسے ہی اس دن سارے مسلمان بقرعید مناتے ہیں، عید کی دو رکعتیں

پڑھتے، قربانی کرتے اور ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔

بہر کیف عشرۂ ذوالحجہ کے فضائل بہت ہیں ، ایک مسلمان کو چاہئے کہ ان مبارک دنوں کو غنیمت سمجھے، انھیں یوں ہی ضائع ہونے سے بچائے، ان میں ہر نیکی میں سبقت لے جانے کی تگ ودو کرے۔

ذوالحجہ سے متعلق ضعیف احادیث:

واضح رہے کہ ذوالحجہ سے متعلق بعض ضعیف وموضوع احادیث بھی بیان کی جاتی ہیں جن کا علم رکھنا مناسب ہے تاکہ ہم نادانی میں غیر مستند وغیر معتبر باتوں میں نہ پھنس جائیں۔

پہلی حدیث: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:«مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ, يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ, وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ»

"عشرۂ ذوالحجہ میں اللہ تعالی کو اپنی عبادت کیا جانا بہت پسند ہے، ان دنوں کا ہر صوم ایک سال کے صوم کے برابر ہے، اور ان دنوں میں ہر رات کی شب بیداری شب قدر میں قیام کے برابر ہے۔"

تخریج: اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے (کتاب الصوم، باب ما جاء في العمل في أيام العشر، حدیث:758) روایت کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے، سنن ابن ماجہ نے بھی اسے (کتاب الصیام، باب صیام العشر، حدیث:1728) روایت کیا ہے، علامہ البانی نے بھی اس روایت کو (سلسلہ ضعیفہ، حدیث:5142) ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسری حدیث: «من صام آخر يوم من ذي الحجة وأول يوم من المحرم فقد ختم السنة الماضية وافتتح السنة المستقبلة بصوم جعل الله له كفارة خمسين سنة»

"جو شخص ذوالحجہ کے آخری دن اور محرم کے پہلے دن صوم رکھے اس نے گذشتہ سال کا اختتام اور آئندہ سال کا افتتاح صوم سے کیا، ایسے شخص کے لئے اللہ تعالی پچاس سالوں کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔"

تخریج: یہ حدیث ضعیف نہیں بلکہ موضوع ومن گھڑت ہے۔ ملاحظہ ہو: الموضوعات لابن الجوزی: 199/2؛ ، تنزیہ الشریعہ: 176/1؛ اللآلی المصنوعہ: 146/1 اور تذکرۃ الموضوعات: 118/1)

تیسری حدیث: «من أَحْيَا ليلة الفطر وليلة الأضحى لم يمت قلبه يَوْم تَمُوت الْقُلُوب»

"جو شخص عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رات جاگ کر گذارے اس کا دل اس دن موت سے محفوظ رہے گا جب سارے دل موت کا شکار ہو جائیں گے۔"

تخریج: یہ حدیث بھی ضعیف نہیں بلکہ موضوع ومن گھڑت ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلہ ضعیفہ، حدیث:520

عشرۂ ذوالحجہ کے اعمال صالحہ:

عشرۂ ذوالحجہ میں اعمال صالحہ کی محبوبیت وفضیلت کا ادراک ہم کر چکے، اب آیئے دیکھا جائے کہ وہ کون سے اعمال ہیں جنھیں ہم ان دنوں میں انجام دے سکتے ہیں:

☆تجدید ایمان :

ایمان دنیا کی سب سے بڑی نیکی ہے اور فتنوں کے اس دور میں ہمیں تجدید ایمان کی بار بار ضرورت ہے۔

سیدنا ابوعمرو سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! قُلْ لِيْ فِي الإِسْلَامِ قَوْلاً لاَ أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَداً غَيْرَكَ؟ قَالَ: «قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ»(صحیح مسلم:62 (38).

"میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

" اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی بات بتادیجئے جس کے بارے میں آپ کے سوا کسی اور سے نہ پوچھوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کہو میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات سے نوازا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو کلمات میں ایمان واسلام کے تمام معانی ومفاہیم کو سمیٹ دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کو حکم دیا کہ اپنی زبان ودل سے اپنے ایمان کی تجدید کریں، اور اطاعت وفرماں برداری کے کاموں پر ڈٹ جائیں اور اللہ ورسول کی نافرمانی اور خلاف ورزی سے دور رہیں۔

تجدید ایمان کا ایک اہم حصہ شرک سے توبہ ہے۔ آیئے مختصر طور پر یہ جائزہ لیتے چلیں کہ ہمارے معاشرے میں کون سے شرکیہ اعمال پائے جاتے ہیں جن سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

غیر اللہ سے دعا کرنا، ان سے مدد مانگنا، ان سے فریاد کرنا، ان کی پناہ ڈھونڈنا، ان کے لئے قیام، رکوع اور سجدہ کرنا، ان کے لئے نذر ونیاز دینا یا جانور ذبح کرنا، کعبہ کے سوا کسی اور جگہ کا طواف اور حج کرنا وغیرہ، یارسول اللہ مدد، یاعلی مدد، یاغوث مدد پکارنا، تعویذ گنڈا پہننا، کڑا چھلہ دھاگا پہننا، ماں باپ یا بیٹے یا کسی غیر اللہ کی قسم کھانا، میاں بیوی کے درمیان محبت یا نفرت پیدا کرنے والی عملیات کرنا یا کروانا، کسی قبر یا درخت یا پتھر سے تبرک لینا، کسی ذات یا جاہ ومرتبہ کا وسیلہ لینا، وغیرہ وغیرہ اعمال سے توبہ کرنا سخت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شرک اور شرک تک پہنچانے والے تمام اعمال سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

☆صلاۃ :

ایمان کے بعد سب سے بڑی نیکی صلاۃ ہے، لہذا عمل صالح کی محبوبیت کے ان دنوں میں فرائض وواجبات وسنن ونوافل کا خاص اہتمام کریں، سنن مؤکدہ وغیر مؤکدہ، تہجد اور دیگر نفلی صلاتوں کی حسب

استطاعت ادائیگی کریں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”فرض کے بعد سب سے افضل صلاۃ رات کی صلاۃ (تہجد) ہے۔“ (صحیح مسلم:202 (1163)

زکاۃ وصدقات:

زکاۃ وصدقات کی اہمیت کسی ذی شعور مسلمان سے مخفی نہیں، قرآن پاک میں جگہ جگہ صلاۃ کی ادائیگی کے حکم کے ساتھ زکاۃ دینے کا بھی حکم دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ صلاۃ خالص اللہ کا حق ہے، اور زکاۃ کا فائدہ اللہ کے بندوں کو پہنچتا ہے۔ اور اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے حقوق کو اپنے دین میں بڑی اہمیت دی ہے۔ صدقہ وخیرات کی فضیلت میں بہ کثرت احادیث آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ

”جس دن بھی بندے صبح کرتے ہیں دو فرشتے نازل ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما، دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! سمیٹ کر رکھنے والے کو بربادی عطا فرما۔“ (صحیح بخاری: 1374؛ صحیح مسلم:1010)

نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”ہر آدمی (بروز قیامت) اپنے صدقہ کے سایہ میں ہو گا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔“ (سلسلہ صحیحہ: 3484)

☆صوم:

اللہ کے نبی ﷺ نے ان دس دنوں میں ہر نیکی کی ترغیب دی ہے، ظاہر ہے کہ صوم نیکیوں میں سے ایک عظیم نیکی ہے، یہ وہ نیکی ہے جس کا اجر وثواب اللہ نے بے شمار رکھا ہے اور از خود اس کا اجر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ حدیث قدسی ہے:

«قال الله تعالى: كل عمل ابن آدم له إلا الصيام فإنه لي وأنا أجزي به» (صحیح بخاری: 1805؛ صحیح مسلم:161 (1151)

”اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم کے بیٹے کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزہ کے، وہ بے شک میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔“

نبی ﷺ نے ان دنوں میں صوم رکھا ہے۔

عن هنيدة بن خالد عن امرأته عن بعض أزواج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: «كان النبي صلى الله عليه وسلم يصوم تسع ذي الحجة ويوم عاشوراء وثلاثة أيام من كل شهر. أول اثنين من الشهر وخميسين» (سنن ابوداود:2439؛ سنن نسائی:2372)

” ہنیدہ بن خالد اپنی بیوی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی ایک زوجۂ مطہرہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ ذوالحجہ کے نو دن، محرم کی دسویں تاریخ اور ہر مہینہ میں تین دن --- مہینہ کا پہلا دوشنبہ اور دو جمعرات --- صوم رکھا کرتے تھے۔“

☆حج وعمرہ:

حج ان دنوں کی خاص نیکی ہے جسے سال کے بقیہ دنوں میں نہیں کیا جاسکتا، حج کے فضائل معروف ومشہور ہیں، پھر بھی ہم چند باتیں ذکر کرتے ہیں:

1۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، قِيلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قِيلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجٌّ مَبْرُورٌ»(صحیح بخاری: 26؛ صحیح مسلم:135)

”رسول ﷺ سے پوچھا گیا: کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، پوچھا گیا: پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد، پوچھا گیا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: حج مقبول۔“

حج مقبول وہ حج ہے جس میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔

2۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا:

«مَنْ حَجَّ هَذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ» (صحیح بخاری:1449؛ صحیح مسلم:438)

”جس نے اس گھر کا حج کیا، نہ کوئی بیہودہ گوئی کی اور نہ کوئی فسق کا کام کیا تو وہ اپنے گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو کر لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا ہے۔“

3۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «الْعُمْرَةُ إِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الْجَنَّةُ» (صحیح بخاری:1683)

”ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک کے درمیانی گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مقبول کا بدلہ جنت ہی ہے۔“

4۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الْجَنَّةُ» (جامع ترمذی: 738؛ سنن نسائی:2631)

”حج وعمرہ پے در پے کیا کرو کیونکہ یہ دونوں فقر ومحتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کی گندگی کو دور کرتا ہے اور حج مقبول کا ثواب جنت ہی ہے۔“

☆صلاۃ عید اور قربانی:

صلاۃ عید اسلام کا ایک ظاہری شعار ہے، صلاۃ عید کی ادائیگی کے لئے خود بھی جانا چاہئے اور اپنے بال بچوں اور گھر کی عورتوں کو بھی لے جانا چاہئے۔

سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

«أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ

وَذَوَاتِ الْخُدُورِ، فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ، وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ, قَالَتْ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللهِ, إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا»

''نبی مکرم ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں شادی شدہ، حیض والیوں اور غیر شادی شدہ پردہ دار خواتین کو لے کر نکلیں۔ حیض والیاں عید گاہ سے الگ رہیں گی البتہ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں گی۔ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا: اس کی (کوئی مسلمان) بہن اسے اپنی چادر اڑھالے۔'' (صحیح بخاری: 344؛ صحیح مسلم: 12)

قربانی سے متعلق ارشاد باری ہے:

﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (سورۃ الکوثر: 2)

''اپنے رب کے لئے صلاۃ پڑھئے اور قربانی کیجئے۔''

نیز نبی کریم ﷺ 10 سال مدینہ رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ آپ ﷺ سے قربانی کی تاکید بھی ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا» (سنن ابن ماجہ: 3123)

''جس شخص کے پاس وسعت ہو اس کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔''

قربانی کرنے والا اپنے ناخن اور بال نہ کاٹے:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «إِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ» (صحیح مسلم: 41، (1977)

''جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی قربانی کرنا چاہتا ہے تو اپنے ناخن اور بال کاٹنے سے رک جائے۔''

سنن ابن ماجہ کی صحیح روایت میں اس قدر مزید اضافہ ہے کہ اپنے چمڑے کاٹنے سے بھی باز رہے۔ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ «إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَمَسّ مِنْ شَعَرِهِ وَلَا بَشَرِهِ شَيْئًا» (سنن ابن ماجہ: 3149)

''جب ذوالحجہ کا پہلا عشرہ آجائے اور تم میں سے کوئی قربانی کرنا چاہتا ہے تو اپنے بال اور چمڑے میں کچھ بھی نہ کاٹے۔''

چمڑے کاٹنے کی تشریح یہ ہے کہ ہونٹ کے چمڑے یا ناخن کے آس پاس کے چمڑے یا پاؤں کی ایڑیوں کے چمڑے وغیرہ نہ ہی نوچے جائیں اور نہ ہی کاٹے جائیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس قربانی کی طاقت نہیں تو وہ قربانی والے دن اپنے ناخن اور بال وغیرہ کاٹ لے تو اسے قربانی کا ثواب مل جائے گا تو یہ بات درست نہیں کیونکہ اس کی دلیل سنن ابی داود کی ایک ضعیف روایت ہے جسے ہم آگے ذکر کررہے ہیں، اس لئے قابل حجت نہیں ہے۔ لہذا ناخن اور بال وغیرہ کے نہ کاٹنے کا حکم صرف اس شخص کے لئے ہے جو قربانی کرنا چاہتا ہے۔ اہل علم نے لکھا ہے کہ یہ دراصل اس وجہ سے ہے کیونکہ قربانی والا چونکہ حاجی کے بعض اعمال میں شریک ہے اس لئے اسے احرام کے بعض ممنوعات میں بھی شریک کردیا گیا۔ واللہ اعلم۔

سنن ابوداؤد کی وہ روایت جس کی طرف پیچھے اشارہ کیا گیا تھا، مندرجہ ذیل ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ بِيَوْمِ الْأَضْحَى عِيدًا جَعَلَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ, قَالَ الرَّجُلُ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا مَنِيحَةً أُنْثَى أَفَأُضَحِّي بِهَا؟ قَالَ: لَا وَلَكِنْ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِكَ وَأَظْفَارِكَ, وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ, فَتِلْكَ تَمَامُ أُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ» (سنن ابوداود: 2789؛ سنن نسائی: 4365)

''مجھے اضحیٰ کے دن (ذوالحجہ کی دسویں تاریخ) کو عید منانے کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالی نے یہ دن اس امت کے لئے بنایا ہے، ایک آدمی نے پوچھا کہ آپ مجھے بتائیے کہ اگر میرے پاس عطیہ یا عاریت میں دی ہوئی بکری یا اونٹنی ہو تو بھی کیا میں اس کی قربانی کروں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم اپنے بال اور ناخن کاٹ لو، اپنی مونچھیں کتر لو، اپنے ناف کے نیچے کے بال مونڈلو، یہ اللہ کے نزدیک تمھاری مکمل قربانی ہوجائے گی۔''

☆ذکر الٰہی:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ﴾ (سورۃ الحج: 27-28)

''اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں، اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں، پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ۔''

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَا مِنْ أَيَّامٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ وَلَا أَحَبُّ إِلَيْهِ الْعَمَلُ فِيهِنَّ مِنْ هَذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ، فَأَكْثِرُوا فِيهِنَّ مِنَ التَّهْلِيلِ وَالتَّكْبِيرِ وَالتَّحْمِيدِ» (مسند احمد: 6154)

''عشرۂ ذوالحجہ اللہ کے یہاں جتنا عظیم ہے اور اس میں کئے گئے عمل صالح اللہ کو جس قدر زیادہ محبوب ہیں اتنا کسی اور دن میں نہیں، لہٰذا ان دنوں میں تہلیل و تکبیر اور تحمید زیادہ سے زیادہ کیا کرو۔''

تہلیل کا معنی ہے لا الہ الا اللہ کہنا، تکبیر کا معنی ہے اللہ اکبر کہنا اور تحمید کا معنی ہے الحمد للہ کہنا۔

عید الاضحیٰ میں چاند دیکھنے یا اس کی اطلاع پانے سے لے کر تیرہ ذوالحجہ کی شام تک کثرت سے بہ آواز بلند تکبیر پکارتے رہنا سنت ہے البتہ عورتوں کو آہستہ اور پست آواز میں تکبیر کہنی چاہیئے۔ تکبیر کا صیغہ یہ ہے:
اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

جناب نافع کی روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ پہنچنے تک تکبیر پکارا کرتے تھے۔ عید گاہ پہنچ کر امام کے آنے تک تکبیر کہا کرتے تھے۔ پھر جب امام آجاتا تو اس کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتے۔ (سنن دار قطنی، کتاب العیدین، حدیث:4)

نوٹ: بیک آواز اجتماعی تکبیر بدعت ہے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے ثابت نہیں۔ درست بات یہ ہے کہ ہر شخص تنہا تنہا الگ آواز میں تکبیر کہے۔

☆تمام اعمال صالحہ:

ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں ہر عمل صالح اللہ کو بہت محبوب ہے جیسا کہ حدیث گذر چکی ہے، چنانچہ سابقہ تمام اعمال کے علاوہ ہر وہ عمل جو باعث اجر وثواب ہے ان دنوں میں اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ دعا، توبہ واستغفار، تلاوت قرآن، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام، تحصیل علم، دعوت الی اللہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، انفاق فی سبیل اللہ، صدقہ وخیرات، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی وغیرہ وغیرہ۔

☆برائیوں سے دوری:

ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں جس طرح ہر نیکی کا ثواب بڑھ جاتا ہے ایسے ہی گناہوں کا ارتکاب بھی سنگین اور شدید رخ اختیار کرلیتا ہے۔ اس لئے کہ یہ شریعت کا ایک عام قاعدہ ہے کہ فضیلت والے اوقات یا مقامات میں جس طرح نیکیوں کو عظمت حاصل ہوجاتی ہے ایسے ہی گناہوں کا ارتکاب خطرناک ہوجاتا ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو ایسے تمام گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنا چاہیئے جو اللہ تعالی کے غضب یا لعنت کا باعث ہوں، مثلاً سودخوری، رشوت خوری، زناکاری، چوری، ناحق کسی کا قتل، یتیموں کا مال کھانا، کسی کی جان اور مال یا عزت وآبرو پر کسی قسم کا ظلم کرنا، معاملات میں فریب اور دھوکا دہی کا ارتکاب، امانتوں میں خیانت، والدین کی نافرمانی، رشتے توڑنا، بغض وکینہ رکھنا، اللہ کے حق کے بغیر تعلقات توڑنا اور بات چیت بند رکھنا، سگریٹ نوشی یا تمباکو نوشی، شراب پینا یا کسی اور نشہ آور چیز کا استعمال کرنا، غیبت و چغلی، جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، ناحق دعوے کرنا اور جھوٹی قسمیں کھانا، داڑھی مونڈانا یا کتروانا، مونچھوں کو پست کے بجائے لمبی رکھنا، کبر وغرور میں مبتلا ہونا، کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، گانے سننا اور آلات موسیقی اپنے پاس رکھنا، گندی اور عریاں فلمیں اور مجرمانہ سیریل دیکھنا، تاش اور پتے کھیلنا، عورتوں کا بے پردگی اور کافر عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا۔ اور ان کے علاوہ وہ تمام کام جن سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا ہے۔

پروردگار! ملت بیضاء کی لاج رکھ

دنیا سے حق پرست جو بیزار ہو گئے — اللہ کی رضا کے طلب گار ہو گئے
مشتاق جلوۂ رسن و دار ہو گئے — جو اپنا سر کٹانے کو تیار ہو گئے
غیروں کے جور وظلم کا کیا کیجئے گلہ — اپنے ہی جب کہ درپے آزاد ہو گئے
بے قدری ہنر ہے تو محسن کشی بھی ہے — کیسے یہ اپنی قوم کے ہنجار ہو گئے
ڈوبے ہوئے جو رہتے ہیں فسق وفجور میں — وہ اقتدار پا کے جفاکار ہو گئے
باہم ستیزہ کار ونبرد آزما ابھی — ظلمات جہل وکفر سے انوار ہو گئے
جو سوچتے رہے تو وہ ساحل پہ رہ گئے — منجدھار میں جو کود پڑے پار ہو گئے
میدان جنگ سے وہ کبھی ہٹ نہیں سکے — سر پر کفن جو باندھ کے تیار ہو گئے
اللہ کے باغیوں کا یہ ہوتا رہا ہے حشر — خوار و ذلیل برسر بازار ہو گئے
یارب یہ کیا غضب ہے کہ مجرم ہیں بے گناہ — اور بے گناہ جو تھے گناہگار ہو گئے
پرودگار! ملت بیضا کی لاج رکھ — اغیار پھر سے برسرِ پیکار ہو گئے
اصحاب حق جو دار پہ چڑھ کر بتا گئے — حماد پھر سے فاش وہ اسرار ہو گئے

حضرت ابوالبیان حماد رحمہ اللہ



یہ بات ایک اٹل حقیقت ہے کہ جس کے دل میں احترام نبی ﷺ نہ ہو وہ دل احترام خدائے تعالیٰ سے بھی خالی ہے۔ آدمی چاہے جتنا اپنے کو پاکباز سمجھے، لیکن اگر اس کے اندر کسی بھی طرح کی بے ادبی و بے احترامی کی کیفیت پائی جاتی ہو تو اس کی ساری پاکبازی اور نیک اعمال کا جو کچھ ذخیرہ کیا تھا وہ سب کا سب اکارت ہو جائے گا۔

چنانچہ اسلام میں ذات نبی ﷺ کے ادب و احترام کو اللہ تعالیٰ کے احترام سے جوڑ کر اہل ایمان کو یہ تعلیم دی گئی کہ نبی ﷺ کے ساتھ تمہارا کس طرح کا عمل ہونا چاہیے۔ اس سلسلہ میں فرمان باری تعالیٰ یوں ہوا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴾

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبی ﷺ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو، جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“ (سورۃ الحجرات:2)

اس آیت کے ذریعہ اہل ایمان کو اس بات کی تاکید فرمادی گئی کہ نبی کریم ﷺ کے احترام کے معاملہ میں ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے، اگر اس میں ذرا سی بھی کمی ہو جائے تو زندگی بھر کی (اعمال صالحات کی) پونجی برباد و تاراج ہو جائے اور تم کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔

یہ ایک اہم حکم خداوندی ہے ، جس میں نبی کریم ﷺ کی عظمت و احترام اور آپ کا مقام بلند بیان کیا گیا اور سارے مسلمانوں کو یہ تاکیدی حکم دیا گیا کہ اپنی آواز نبی کریم ﷺ کی آواز سے ہرگز بلند نہ کرنا!

محترم قارئین کرام! یہاں اس بات کا ذکر بے محل نہ ہو گا کہ اسی سورہ کی آیت نمبر ایک میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ دیکھو نبی کریم ﷺ کے آگے پیش قدمی نہ کرو، یعنی کسی بھی معاملہ میں نبی ﷺ کو ارشاد فرمانے سے پہلے آگے بڑھ کر اپنے سے کچھ رائے دینے کی کوشش ہرگز نہ کرنا، یہاں پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ سورۃ الحجرات مدنی سورتوں میں شامل ہے اور وہ بھی مدنی دور کے آخر میں اس کا نزول ہوا اور دوسری طرف اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا تھا اور لوگ جوق درجوق قبیلے کے قبیلے اسلام کی پناہ میں آرہے تھے۔ اس طرح یہ دور نئے مسلمانوں کی تربیت کا زمانہ تھا، لیکن جو لوگ ابھی آپؐ کی اصل قدر و منزلت سے واقف نہ تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ گویا یہ اسلام قبول کرکے نبی ﷺ پر کچھ احسان کر رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا امین احسن اصلاحی اپنی تفسیر تدبر قرآن میں اس آیت کی تشریح فرماتے ہوئے یوں تحریر فرمایا:”یہ اسی اوپر والی بات کے ایک دوسرے پہلو کی طرف اشارہ ہے۔ جن لوگوں کے اندر یہ خناس سمایا ہوا ہو کہ وہ اللہ و رسول کو مشورہ دینے کی پوزیشن میں ہیں یا جن کو یہ زعم ہو کہ ان کا اسلام قبول کرلینا اسلام اور پیغمبر پر ایک احسان ہے۔ ان طرز خطاب اور انداز کلام رسول کے آگے متواضعانہ و نیازمندانہ نہیں ہو سکتا تھا بلکہ ان کے اس پندار کا اثر ان کی گفتگو سے نمایاں ہونا ایک امر فطری تھا۔“ (تدبر قرآن:4/488)

مزید اس میں یہ حکم بھی دیا گیا کہ جب بھی نبی کریم ﷺ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو جائے تو اونچی آواز سے بات نہ کی جائے بلکہ یہ بات ہر وقت ملحوظ رکھی جائے کہ عام لوگوں سے گفتگو اور نبی کریم ﷺ سے کی جانے والی گفتگو میں بہت بڑا فرق ہے، اس آیت کریمہ کے ذریعہ ان لوگوں کو جو ابھی تک نبی کریم ﷺ کے ادب و احترام اور مقام بلند سے ناواقف تھے یہ بتلادیا گیا کہ اب بارگاہ نبوی ﷺ میں جو بھی بے احترامی کا رویہ اختیار کرے، اسے اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے جس کی وجہ سے زندگی بھر کے سارے اعمال غارت ہو سکتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جو لوگ نبی پاک ﷺ کا احترام کرتے ہیں وہ دراصل اللہ تبارک و تعالیٰ کا ادب و احترام بجالاتے ہیں۔

اسلام قبول کرکے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر احسان جتانے والے نومسلموں اور اسلامی آداب و تہذیب سے ناآشنا مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کے مقام بلند کی اہمیت بتلاتے ہوئے، ان لوگوں کی تعریف بیان کی گئی جنہوں نے نبی مکرم ﷺ سے بات کرنے میں اپنی آواز کو پست رکھتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴾

”جو لوگ رسولِ خدا ﷺ کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور اجر عظیم۔“ (سورۃ الحجرات: 3)

یعنی جو لوگ اپنے اندر تقویٰ رکھتے ہیں اس کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ یہ لوگ نبی کریم ﷺ کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہیں، جس کے بدلے میں اللہ ان پر اس طرح مہربان ہوتا ہے کہ ان کی مغفرت فرمادیتا ہے اور اجر عظیم کا مستحق بھی بنادیتا ہے۔

مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی جامع تشریح فرمائی جو دلنشین وعام فہم ہے۔ وہ یوں رقمطراز ہوئے:

”یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں میں پورے

اترتے ہیں اور ان آزمائشوں سے گزر کر جنہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کے دلوں میں فی الواقع تقویٰ موجود ہے وہی لوگ اللہ کے رسول ﷺ کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔"

اس ارشاد سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ جو دل رسول اللہ ﷺ کے احترام سے خالی ہے وہ در حقیقت تقویٰ سے خالی ہے اور رسول ﷺ کے مقابلے میں کسی کی آواز کا بلند ہونا محض ایک ظاہری بد تہذیبی ہے، بلکہ باطن میں تقویٰ نہ ہونے کی علامت ہے۔ (تفہیم القرآن، سورۃ الحجرات: 3، حاشیہ 5)

قارئین کرام! سورۃ الحجرات کے آغاز میں پہلی تعلیم یہ دی گئی کہ نبی کریم ﷺ کے آگے پیش قدمی نہ کرو، دوسری تعلیم دیتے ہوئے یہ ادب سکھلایا گیا کہ نبی کریم ﷺ سے بات کرنے میں اپنی آواز کو پست رکھا جائے، اس طرح جو لوگ اس ادب کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کرتے ہیں وہ اللہ کے پسندیدہ بندے بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا اور اجر عظیم سے نوازتا ہے۔

اب ایک تیسرا حکم دیتے ہوئے مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ سے ملاقات کرنا مقصود ہو تو کس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اس کے بابت تہذیب سکھلائی جارہی ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴾ (سورۃ الحجرات:4)

"اے نبی ﷺ جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔"

اور مزید یہ بھی نصیحت فرمائی کہ

﴿ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (الحجرات: 5)

"اگر وہ تمہارے بر آمد ہونے تک صبر کرتے تو انہی کیلئے بہتر تھا، اللہ در گزر کرنے والا اور رحیم ہے۔"

خلاصہ کلام یہ کہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں ملاقات کا شرف حاصل کرنا ہو تو کس طرح کا عمل ہونا چاہیے، اس کی ہدایت دی گئی، اور اس بات سے منع فرمادیا گیا کہ آپ ﷺ سے ملاقات کرنا مقصود ہو تو آپ کے حجرات پر جاکر بے ڈھنگے انداز میں نہ پکارو بلکہ آپ ﷺ کے باہر تشریف لانے تک صبر کرو، غرض یہ کہ نبی پاک ﷺ کے آرام اور آپ ﷺ کی اپنی ذاتی مشغولیات کا پاس و خیال نہ رکھنا یہ بے عقلی کی بات ہے اور جو لوگ آپ ﷺ کے بر آمد ہونے تک انتظار کرتے، صبر کا مظاہرہ کرتے تو ان ہی کے حق میں بہتر تھا۔

یہاں پر ایک بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ آپ کی صحبت میں رہ کر تعلیم حاصل کر چکے وہ تو بہت ہی ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے تھے۔ یعنی آپ ﷺ کی مصروفیات اور آپ ﷺ کے شب و روز کی مشغولیات سے پوری طرح واقف تھے اور اسی کے عین مطابق عمل کرتے تھے، لیکن جو لوگ دور دراز مقامات سے آتے (جن کی ابھی تربیت باقی تھی) یہ تو آتے ہی ازواج مطہرات کے حجروں کا چکر کاٹتے ہوئے باہر ہی سے محمد ﷺ کو پکارتے پھرتے تھے، جس کی وجہ سے رحمت عالم ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی، لیکن آپ ﷺ اپنے طبعی حلم کی وجہ سے اسے برداشت فرمایا کرتے۔

محمد ﷺ اللہ تبارک و تعالیٰ کے محبوب بندے اور اس کے رسول ہیں۔ لہٰذا اپنے محبوب کی اس کیفیت کو دور فرمانے کے لئے اللہ نے یہ حکم دے دیا کہ خبردار اس طرح کی کوئی حرکت آگے نہیں ہونی چاہیے، اور یاد رکھو بے علمی میں جو ہو چکا سو ہو چکا، تم سے در گزر کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر مختصر طور پر یوں فرمائی:

"یہ آیت قبیلہ بنو تمیم کے بعض اعرابیوں (گنوار قسم کے لوگوں) کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے ایک روز دوپہر کے وقت جو کہ نبی ﷺ کے قیلولہ کا وقت تھا، حجرے سے باہر کھڑے ہو کر عامیانہ انداز میں "یا محمد یا محمد" کی آوازیں لگائیں تاکہ آپ ﷺ باہر تشریف لے آئیں۔ (مسند احمد: 84-318) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی اکثریت بے عقل ہے، آپ ﷺ کے آداب و احترام کے تقاضوں کا خیال نہ رکھنا، بے عقلی ہے۔ (احسن البیان)

مولانا مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں یوں رقمطراز ہوئے: "صحابہ و تابعین نے اپنے علماء و مشائخ کے ساتھ بھی اسی ادب کا استعمال کیا ہے۔" صحیح بخاری میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابی سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو ان کے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز یا دروازہ پر دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازہ کے باہر بیٹھ جاتا تھا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لاویں گے اس وقت ملاقات کروں گا۔" (روح المعانی، معارف القرآن)

ایک اور مفسر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ یوں تحریر فرماتے ہیں: "جہاں عام طور پر لوگوں کو کسی شائستگی کی تربیت نہ ملی تھی، بار بار ایسے اَن گھڑ لوگ بھی آپ ﷺ سے ملاقات کے لئے آجاتے تھے جن کا تصور یہ تھا کہ دعوت الی اللہ اور اصلاح خلق کا کام کرنے والے کو کسی وقت بھی آرام لینے کا حق نہیں ہے، اور انہیں حق ہے کہ رات دن میں جب چاہیں اس کے پاس آدھمکیں اور اس کا فرض ہے کہ جب بھی وہ آجائیں وہ ان سے ملنے کے لئے مستعد رہے۔ اس قماش کے لوگوں میں عموماً اور اطراف عرب سے آنے والوں میں خصوصاً بعض ایسے ناشائستہ لوگ بھی ہوتے تھے جو آپ ﷺ سے ملاقات کے لئے آتے تو کسی خادم سے اندر اطلاع کرانے کی زحمت بھی نہ اٹھاتے تھے بلکہ ازواج مطہرات کے حجروں کا چکر کاٹ کر باہر ہی سے آپ ﷺ کو پکارتے پھرتے تھے۔" (تفہیم القرآن سورۃ الحجرات: 5 حاشیہ 6)

اس طرح کے متعدد واقعات احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت کیے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے غفور و رحیم ہونے کا ذکر یوں کیا: "چونکہ یہ لوگ آداب معاشرت سے ناآشنا ہیں اور یہ خلاف ادب حرکت وہ جان بوجھ کر نہیں کرتے رہے ہیں، اس لئے اپنے گذشتہ طرز عمل کے حوالے سے تو انہیں معافی کی توقع رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ غفور اور رحیم ہے۔ لیکن آئندہ کسی سے ایسی کوئی حرکت سرزد نہیں ہونی چاہیے۔" (بیان القرآن)



حج اسلام کا پانچواں بنیادی رکن ہے۔(بخاری)
حج صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ (آل عمران: 97)
اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے بعد حج مبرور سب سے افضل عمل ہے۔(بخاری ومسلم)
حج صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے۔(مسلم)
حج مبرور (جس میں کوئی غلط کام نہ سرزد ہوا ہو اور جو اللہ کے دربار میں مقبول ہو) کا بدلہ جنت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔(بخاری ومسلم)
جس نے حج کیا اور فسق وفجور اور اللہ کی نافرمانی سے بچا رہا وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو کر لوٹے گا جیسا کہ وہ آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ (صحیح بخاری)
البتہ جمہور علما کی تحقیق یہ ہے کہ یہ کفارہ عموماً صغیرہ گناہوں سے ہوگا، رہے کبیرہ گناہ جیسے قتل و خونریزی، شراب وسود خوری اور لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے ہڑپ کرنا وغیرہ، ایسے بڑے گناہ حج یا کسی عبادت جیسے نماز، روزہ وغیرہ سے بھی معاف نہیں ہوں گے، جب تک کہ سچے دل سے توبہ نہ کی جائے اور حقداروں کو ان کا حق لوٹا نہ دیا جائے۔(خطبات از فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن زید احمود، قطر)
عورتوں کا افضل جہاد حج مبرور ہے۔(صحیح بخاری)
کوئی عمرہ یا حج کے سفر پر روانہ ہو اور یہ ادا کرنے سے قبل ہی وفات پا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے عمرہ اور حج کا ثواب عطا فرمائے گا۔(بیہقی)
عمرہ وحج کے لیے مال حلال ہونا شرط ہے، جب بندہ حلال مال سے عمرہ اور حج کے لیے احرام باندھ کر لبیک کہتا ہے تو آسمان سے آواز آتی ہے، لبیک وسعدیک تیری لبیک قبول ہو اور تجھ پر اللہ کی رحمت ہو) اور جب مال حرام ہو تو آسمان سے آواز آتی ہے: (لالبیک ولاسعدیک) "نہ تیری لبیک قبول ہے اور نہ ہی تجھ پر اللہ کی رحمت ہے۔" (طبرانی)
حج کی استطاعت کے باوجود کوئی مسلمان اگر حج نہ کرے تو اللہ کے نبی ﷺ نے یہ وارننگ دی ہے کہ وہ خواہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔ (جامع ترمذی)
عمرہ اور حج کرنے والے خوش نصیب گویا کہ ضیوف الرحمن (اللہ کے مہمان ہیں) اور اللہ پاک گویا کہ ان کا میزبان۔(ابن ماجہ)
حج کی تین قسمیں ہیں:
حج افراد، حج تمتع اور حج قران (بخاری ومسلم)
یورپ سے جانے والوں کے لیے حج تمتع بہت ہی آسان ہے کہ عمرہ کی نیت سے احرام باندھ لے اور عمرہ مکمل ہونے کے بعد احرام کھول کر حلال ہو جائے یعنی احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائے اور 8/ ذی الحجہ کو حج کی نیت سے مکہ ہی میں دوبارہ احرام باندھ لے، عمرہ اور حج کے درمیان جو فائدہ اٹھاتے ہیں اسے تمتع کہا جاتا ہے۔اس لیے اس حج کا نام حج تمتع قرار پایا اور اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "میں قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں اس لیے قران کر رہا ہوں، ورنہ تمتع کرتا۔" (مسلم)
اس طرح حدیث قولی (آپ ﷺ کا ارشاد فرمانا)، حدیث فعلی (آپ ﷺ کے عمل) سے افضل ہے، اس لیے بعض لوگ حج تمتع کو حج افراد و قران سے افضل قرار دیتے ہیں۔(مسلم)
اور حق بات یہ ہے کہ برطانیہ اور یورپ اور دور دراز ممالک سے جانے والے حاجیوں کے لیے یہ آسان بھی ہے اور چونکہ عمرہ بھی اس میں شامل ہے اس لیے ہم خرما دھم ثواب والا معاملہ ہے۔
چونکہ حج تمتع میں پہلے عمرہ کرنا پڑتا ہے اس لیے ہم عمرہ کا مختصر طریقہ بیان کر دیتے ہیں۔ حج تمتع میں میقات (احرام باندھنے کی جگہ) سے صرف عمرہ کی نیت سے لبیک عمرۃ (عمرہ کے لیے حاضر ہوا ہوں) کہہ کر احرام باندھا جائے گا۔
واضح ہو کہ عمرہ اور حج کی نیت کے الفاظ احادیث میں وارد ہیں، چنانچہ دل میں ارادہ کے ساتھ ان الفاظ کی ادائیگی ضروری ہے، البتہ ان کے علاوہ دیگر عبادات میں صرف دل سے نیت کافی ہے، الفاظ کی ادائیگی کی چنداں ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک طرح کی بدعت شمار ہوگی۔
احرام مردوں کے لیے بغیر سلی ہوئی دو چادریں ہوں، ایک تہہ بند کی طرح باندھ لیں اور دوسری اوڑھ لیں۔(بخاری)
مردوں کے احرام میں کوئی سلا ہوا کپڑا ان کے جسم پر نہ ہو اور سر ننگا ہو اور خواتین اپنے معمول کے کپڑوں کے کپڑوں میں احرام باندھیں البتہ سر کے بال ڈھکے رہیں۔ ظاہر نہ ہونے دیں اور چہرہ کھلا رکھیں، ہاں مردوں کا سامنا ہو تو چادر لٹکائیں۔
اس کے بعد تلبیہ کہیں تلبیہ یہ ہے: لبيك اللّٰهُمَّ لبيك لا شريك لك لبيك، إن الحمد والنعمة لك و الملك، لاشريك لك "اے اللہ! میں تیری عبادت کے لیے حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، میں حاضر ہوں، بے شک ساری تعریف اور ساری نعمت تیرے ہی لیے ہے اور بادشاہت بھی صرف تیرے لیے ہے۔ تیرا کوئی

شریک نہیں ہے۔" (صحیح بخاری)
اس کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے۔
آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی ہے: اللّٰهُمَّ انی اسئلك برضاك الجنة واعوذ برحمتك من النار "اے اللہ، میں تیری رضامندی کے ساتھ جنت مانگتا ہوں، اور تیری رحمت کے ساتھ دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔" (بیہقی)

احرام کی حالت میں بال کاٹنا، ناخن تراشنا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، نکاح کا پیغام بھیجنا، نکاح کرنا یا کسی کا نکاح کرانا، خوشبو لگانا، خشکی کے جانور کا شکار کرنا یا شکار کرنے میں کسی کا تعاون کرنا، گالی گلوچ، لڑائی جھگڑا اور برائیوں کا ارتکاب کرنا، یہ سب کام منع ہیں۔ (فقہ السنہ)

حالت احرام میں مذکورہ ممنوعات میں سے کوئی چیز سرزد ہو جائے تو کفارہ کے طور پر اس کا فدیہ دینا ہوگا، فدیہ یہ ہے: 30 دن روزے رکھنا یا 6 مسکینوں کو کھانا کھلانا یا ایک بکری ذبح کرنا، سوائے جماع (بیوی سے ہم بستری) کے کہ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری)

اگر عمرہ کی حالت میں جماع کا ارتکاب ہو تو عمرہ باطل ہو جائے گا، توبہ واستغفار کے بعد ان دونوں کو دوسرا عمرہ کرنا ہوگا اور اگر حج کے احرام میں یہ فعل سرزد ہو گیا ہو تو ان کا حج باطل ہو جائے گا اور فدیہ کے طور پر ایک اونٹ کی قربانی کرنی چاہیے اور توبہ واستغفار کے بعد ان دونوں کو آئندہ حج کرنا پڑے گا۔

کعبۃ اللہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: أَعُوذُ بِاللهِ الْعَظِيمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ، بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمد و آله وسلم اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

"پناہ مانگتا ہوں میں اللہ عظیم سے اور اس کے کریم چہرہ سے، اس کی قدیم سلطنت کے ذریعے شیطان مردود سے، اللہ کے نام سے اے اللہ محمد ﷺ اور ان کی آل پر رحمت بھیج، اے اللہ میرے گناہوں کو معاف فرما دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔" (فقہ السنۃ)

عمرہ کی ابتداء کعبۃ اللہ کے طواف سے ہوتی ہے اور اس طواف کو طواف قدوم کہتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ مرد احرام کی چادر کو دائیں بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈال دے، اس طرح کہ اپنا دایاں شانہ کھلا رکھیں، اس کو اضطباع کہا جاتا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

حجر اسود کے پاس آکر اس کو بوسہ دیں یا ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو بوسہ دیں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہاتھ یا عصا سے اس کی طرف اشارہ کر کے بسم الله الله أكبر کہہ کر طواف شروع کریں، طواف کے پہلے تین چکروں میں ذرا تیزی سے دوڑیں اور مونڈھوں کو حرکت دیں، اس کو رَمل کہا جاتا ہے۔ رکن یمانی سے حجر اسود تک یہ دعا پڑھیں:

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار

"اے ہمارے رب ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرما اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھ۔" (سنن ابوداؤد)

حجر اسود تک پہنچنے پر اس کا چکر پورا ہوگا، اسی طرح دوسرا چکر حجر اسود سے شروع کریں، جب تیسرے چکر سے فارغ ہوں تو مرد حضرات اپنی چادر کو دائیں بغل سے نکال کر مونڈھے پر ڈال لیں اور طواف کے بقیہ چار چکر نارمل طریقے سے پورے کریں، یعنی ان میں تیز نہ چلیں، بعض حضرات عمرہ یا حج کے احرام باندھنے کے وقت سے عمرہ یا حج سے فارغ ہونے تک اپنا احرام دائیں بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیتے ہیں اور اپنا دایاں کندھا ننگا رکھتے ہیں جو بالکل ہی کریہہ منظر پیش کرتا ہے، اور اس طرح سات چکر پورے کرنے کے بعد حجر اسود کا بوسہ لینا ممکن ہو تو بوسہ لیں ورنہ صرف اشارہ کر دیں، اس طرح ایک طواف مکمل ہو گیا ہے، اس کے بعد مقام ابراہیم کے پاس یا جہاں جگہ مل جائے طواف کی 2 رکعت نماز ادا کریں، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یأیھا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل هو الله أحد تلاوت کریں۔ (صحیح بخاری)

اس کے بعد یہاں دعا مانگیں، یہ قبولیت دعا کا مقام ہے۔ طواف کے بعد آب زمزم پینا اور سر پر بہانا مسنون ہے۔ (مسند احمد)

پہلے اس کے لیے زمزم کے کنویں کے قریب جانا پڑتا تھا، مگر اب سارے حرم میں جگہ جگہ ہر منزل میں ہزاروں نل نصب ہیں جہاں ہر وقت بآسانی آب زمزم دستیاب ہے۔ جس نیت سے اس پانی کو پیئیں گے اس کا فائدہ ہوگا۔ (مسند احمد)

کفن کو آب زمزم سے دھونا شریعت سے ثابت نہیں۔ اس کے بعد سعی کرنی چاہیے، تیز چلنے کو سعی کہتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں باب الصفا سے آگے بڑھیں تو وہاں دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں جنہیں صفا اور مروہ کہا جاتا ہے۔ پہلے صفا پہاڑی پر آئیں اور خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر تین بار بلند آواز سے اللہ اکبر کہیں اور تین بار یہ دعا پڑھیں۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ أَنْجَزَ وَعْدَهُ وَ نَصَرَ عَبْدَهُ وَ هَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ (صحیح مسلم)

اور مروہ کی پہاڑی کی طرف چلیں، جب سبز رنگ کی لائٹ پر پہنچیں تو مرد حضرات اپنی رفتار میں اضافہ کر دیں، سبز رنگ کی دوسری لائٹ پر پہنچنے کے بعد رفتار نارمل کر دیں، جب مروہ پہاڑی پر پہنچیں تو ایک چکر مکمل ہوا۔ یہاں پہنچ کر وہی دعا پڑھیں جو صفا پر پڑھی تھی اور وہاں سے جب صفا پر آئیں تو دوسرا چکر ہوگا۔ اس طرح کل سات چکر مکمل کریں۔ یعنی صفا سے شروع کر کے مروہ پر ختم کریں۔ اس کے بعد اپنے سر کے بال کتروائیں یا منڈوائیں۔ اب عمرہ مکمل ہو چکا ہے۔ اپنا احرام کھول کر عام کپڑے پہن لیں، آپ کا یہ حج حج تمتع ہے، اس لیے آپ پھر 8 ذی الحجہ کو مکہ میں اپنی رہائش گاہ پر غسل اور وضو کر کے حج کی نیت

سے لبیک حجۃ (حج کے لیے لبیک کہہ رہا ہوں / کہہ رہی ہوں) کہہ کر احرام باندھیں اور 2 رکعت نماز ادا کریں، اگر حج قران اور افراد سے ہوں تو آپ کا احرام باقی رہے گا۔ لہٰذا اسی احرام سے حج مکمل کریں گے۔ (اس دوران آپ چاہیں تو غسل کر سکتے ہیں، احرام دھو سکتے ہیں اور احرام کی چادریں بدل سکتے ہیں) اب لبیک پکارتے ہوئے منیٰ کو روانہ ہوں، منیٰ پہنچنے کے بعد ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن ذی الحجہ کی فجر، یہ پانچ نمازیں وہاں ادا کریں۔ (صحیح مسلم)

9 ذی الحجہ کو میدان عرفات پہنچنے کے بعد امام حج کا خطبہ سنیں اور ظہر و عصر کی دو نمازیں باجماعت جمع تقدیم اور قصر کے ساتھ ظہر کے وقت ادا کی جائیں گی اس کے بعد جبل الرحمہ اس کے آس پاس حسب سہولت اپنے خیموں میں ذکر و اذکار اور دعاؤں میں مشغول رہیں۔ غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ روانہ ہوں، وہاں پہنچ کر عشاء کے وقت مغرب اور عشاء کی نماز جمع تاخیر اور قصر کے ساتھ ادا کریں، وتر ادا کرنے کے بعد رات وہاں آرام کریں، ان نمازوں کے پہلے یا بعد کوئی سنت اور نفل نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ اس رات آرام کرنا مسنون ہے، بعض لوگ اس کو لیلۃ القدر کی طرح جاگ کر گزارتے ہیں جو سنت کے خلاف ہے۔ (تعلیم الاسلام تالیف مولانا مختار احمد ندوی، الدار السلفیہ ممبئی)

10 ذی الحجہ کو اول وقت نماز فجر ادا کرنے کے بعد یہاں چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں جنھیں مشعر الحرام کہا جاتا ہے۔ ان پر دیر تک دعائیں مانگیں، یہ قبولیت دعا کا مقام ہے۔ طلوع آفتاب کے بعد یہاں سے منیٰ روانہ ہوں، منی جاتے ہوئے 70 کنکریاں چن لیں، کنکریاں درمیانی سائز کی یعنی چنے کے برابر ہوں اور زوال کے بعد جمرہ کبریٰ (بڑے شیطان) کو سات کنکریاں ماریں، کنکریاں مارتے وقت اللہ اکبر کہیں، ایک ایک کنکری اللہ اکبر کہتے ہوئے ماریں، کمزور بیمار وضعیف خواتین اور بچے ہوں تو ان کی طرف سے کنکریاں دوسرے مار سکتے ہیں، اس کے بعد حج تمتع اور قران والے اپنی قربانی ذبح کریں، حج افراد کرنے والوں پر قربانی نہیں ہے۔ آج کل سعودی حکومت کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے اور وہ گوشت دنیا بھر کے غریب مسلمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اس لیے ان کے ذریعہ سے قربانی کرانا بھی مفید ہے تاکہ گوشت ضائع نہ ہو اور غریبوں کے کام آئے، اس کے بعد سر کے بال پورے منڈوادیں یا پورے کترواد یں اور اپنا احرام کھول کر سلے ہوئے کپڑے پہن لیں اور ممکن ہو تو آج ہی خانہ کعبہ جا کر طواف زیارت اور صفا ومروہ کی سعی کریں۔ اگر آج ممکن نہ ہو تو دوسرے یا تیسرے دن بھی طواف زیارت اور سعی کر سکتے ہیں۔

10 ذی الحجہ سے 13/ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کرنا افضل ہے، اللہ کے نبی ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا مگر 12/ ذی الحجہ کو چاہیں تو رخصت ہو سکتے ہیں، اسی رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تقریباً سارے معلمین و مطوفین سارے حجاج کو وہاں سے نکال کر اپنا کام ہلکا کر لیتے ہیں جتنے دن بھی وہاں قیام ہو پانچوں نمازیں مسجد خیف میں یا اپنے اپنے خیموں میں باجماعت ادا کرتے رہیں، 11/ ذی الحجہ کو زوال سے پہلے تینوں جمرات (شیطانوں) کو سات سات کنکریاں ماریں، پہلے چھوٹے شیطان کو، پھر درمیانی اور بڑے کو، اسی طرح 12 اور 13 ذی الحجہ کو تینوں شیطانوں کو سات سات کنکریاں ماریں، اگر 13 ذی الحجہ کو منی میں ٹھہریں تو کنکریاں ماریں، اگر 12 ذی الحجہ کو منیٰ سے رخصت ہو جائیں تو 13 ذی الحجہ والی کنکریاں 12 ذی الحجہ کو ڈبل نہ ماریں یعنی اگر 12 کو رخصت ہوں تو 49 کنکریاں ہوں گی اور 13 تاریخ کو رخصت ہوں تو 70 ہے۔

کنکریاں مزدلفہ سے لینا ضروری نہیں ہے۔ منی سے بھی لے سکتے ہیں، کنکریوں کو دھونا بھی فعل عبث ہے۔

حج سے فارغ ہو کر حاجی جب سفر کا ارادہ کرے تو اسے طواف وداع (رخصتی کا طواف) کرنا چاہیے۔ (مسلم)

نابالغ بچے حج کر سکتے ہیں، اگر بالکل عقل و تمیز سے عاری ہوں تو ان کے ولی (والدین یا ذمہ داروں) کو حج کے تمام ارکان ادا کرنے ہوں گے، ان کا ثواب ان کے والدین کو بھی ملے گا اور بچوں پر سے فرض حج ساقط نہیں ہوگا بلکہ بالغ ہونے کے بعد بشرط استطاعت انہیں یہ فرض حج ادا کرنا ہوگا۔ (مسلم)

عورتیں مردوں کی طرف سے اور مرد عورتوں کی طرف سے حج بدل کر سکتے ہیں، معذور، ضعیف یا بیمار لوگوں کی طرف سے حج کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ حج بدل کرنے والے خود اپنا حج کر چکے ہوں۔ (مسلم)

کسی نے عمرہ یا حج کی نذر مانی ہو اور زندگی میں وہ نذر پوری نہ کر سکا ہو تو میت کے ورثاء رشتہ دار اس نذر کو پوری کریں، اگر اس کے لیے میت کے ترکہ سے بھی اس کے اخراجات نکالنے پڑیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح اگر کسی نے استطاعت کے باوجود زندگی میں حج نہ کیا ہو تو اس کی وفات کے بعد اس کے ساتھ بھی اسی طرح کیا جائے گا۔ اگر کسی خاتون کو عمرہ کے احرام باندھنے سے قبل حیض شروع ہو جائے تو ایسی خاتون غسل کر کے عمرہ اور حج کے ارکان ادا کرے، سوائے کعبۃ اللہ کے طواف اور نماز کے، جب وہ حیض سے فارغ ہو تو ایک طواف اور سعی کر لے۔ یہ طواف وسعی عمرہ اور حج کے لیے کافی ہو جائیں گے۔ اور اگر درمیان عمرہ یا حج حیض شروع ہو تو بھی اسی طرح کریں۔ یعنی طواف وسعی اور نمازیں ترک کر دیں۔ بقیہ حج کے سارے مناسک ادا کریں اور پاک ہونے کے بعد طواف وسعی کر لیں۔ مدینہ منورہ کا سفر اور مسجد نبوی کی زیارت حج کا رکن نہیں ہے مگر مسجد نبوی میں ایک نماز ادا کرنا ایک ہزار نمازوں کے برابر ثواب ہے۔ (مسند احمد)

اسی لیے وہاں کا سفر اور مسجد نبوی کی زیارت اور روضۃ الرسول ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا چاہیے۔ خصوصاً جنہیں مکہ مدینہ سعودی عرب یا قرب وجوار کے علاقوں کے علاوہ دنیا کے دور دراز کے ملکوں سے زندگی میں ایک بار یا کبھی کبھار آنے کا موقع ملتا ہے ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مدینہ منورہ کا سفر کریں اور مسجد نبوی کی زیارت کر لیں۔ کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ مسجد الحرام (خانہ کعبہ) مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ بیت المقدس) ان تینوں مساجد کے لیے ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور مسجد یا مقام کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہے۔



فضلیت عرب ہونے کی بنا پر یا تقویٰ کی بنا پر

سوال: شیخ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ عربوں کو اپنے عالی نسب ہونے کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے اور یہ رائے نہ صرف ان کی ہے بلکہ اکثر علماء بشمول امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے، کیا فضیلت کا معیار تقویٰ نہیں ہے ؟

جواب: امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول فتاوی ابن تیمیہ کی جلد نمبر 19 کے آغاز میں ایک تفصیلی بحث کے ضمن میں آیا ہے، اور یہ ساری عبارت پڑھنے کے بعد مسئلہ واضح ہو جاتا ہے۔ ہم اس بحث کا خلاصہ پیش کئے دیتے ہیں:

اصل مقصود یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایسی صفات کے ساتھ احکام کو مربوط کیا ہے کہ جو اللہ کو پسند ہیں، اور انہی کو عمل میں لانے کا حکم دیا ہے اور جن صفات کو وہ ناپسند کرتا ہے ان سے روکا ہے۔

عربوں کو بحیثیت عرب کسی خاص حکم کا پابند نہیں کیا گیا ہے کیونکہ ان کی دعوت روئے زمین کے تمام لوگوں کے لئے تھی لیکن قرآن ان کی اپنی زبان میں بلکہ خاص قریش کی زبان میں نازل ہوا۔ اور اس لیے سیدنا عمر سیدنا ابن مسعود سے کہتے ہیں :

” لوگوں کو قریش کی زبان میں قرآن پڑھاؤ کیونکہ قرآن ان کی زبان میں اُترا ہے اور سیدنا عثمان نے قریشیوں اور انصار میں سے ان لوگوں کو جو کاتب قرآن تھے، کہا: اگر تمہارا کسی بات میں اختلاف ہو تو قریش کے اس قبیلے کی زبان میں لکھو کہ قرآن اُن کی زبان کے مطابق نازل ہوا ہے اور ایسا کرنا تبلیغ کے لئے ضروری تھا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے پہلے اپنی قوم کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور پھر ان کے توسط سے ساری دوسری اقوام کو پہنچایا اور جیسے جہاد کے بارے میں کہا تھا کہ پہلے ان لوگوں سے جہاد کرو جو تم سے قریب ہیں اور پھر جو ان سے قریب ہیں، ایسے ہی تبلیغ کے بارے میں کہا کہ پہلے انہیں تبلیغ کرو جو تمہارے قریب ہیں اور پھر جو ان سے قریب ہیں۔

جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ جنس عرب غیروں سے بہتر ہے، جیسے جنس قریش دوسروں سے بہتر ہے اور جنس بنی ہاشم قریش کی دوسری شاخوں سے بہتر ہے اور نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے:

” لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ہیں، جو لوگ جاہلیت میں بہترین تھے، وہی بشرط فہم اسلام میں بھی سب سے بہتر ہیں۔“

لیکن ایک مجموعہ کا دوسرے سے افضل ہو جانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں سے ہر فرد دوسرے مجموعہ کے ہر فرد سے افضل ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ غیر عرب میں سے بہت سے لوگ اکثر عربوں سے بہتر پائے گئے ہیں۔

اور اسی طرح غیر قریش میں مہاجرین وانصار آجاتے ہیں جو کہ اکثر قریشیوں سے بہتر ہیں اور ایسے ہی بنی ہاشم کے علاوہ دوسرے قریشیوں میں اور غیر قریشیوں میں بھی بہت سے لوگ بہتر پائے گئے ہیں۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

” جس زمانے میں میں بھیجا گیا ہوں وہ سب سے بہتر ہے پھر وہ جو ان کے بعد میں آئے اور پھر وہ جو ان کے بعد میں آئے۔“

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بعد کے زمانوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو قرن ثانی اور قرن ثالث کے لوگوں سے بہتر ہیں اور اس کے باوجود نبی ﷺ نے قرن ثانی اور قرن ثالث کے لوگوں کو کسی خاص حکم شرعی کا پابند نہیں کیا بلکہ ایسا بھی نہیں کیا کہ صحابہ کو کوئی خاص احکام دیئے گئے ہوں جو کہ دوسروں کو نہیں دیئے گئے لیکن صحابہ کی فضیلت کو دیکھتے ہوئے ان کے افضل ہونے کے بارے میں خبر دی اور ایسے ہی وہ لوگ جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت اختیار کی تھی، ان کی اس فضیلت کو اجاگر کیا، لیکن انہیں کسی خاص حکم کا پابند نہیں کیا، تو واضح ہو گیا کہ اس فضیلت میں نسب کا کوئی دخل نہیں ہے۔

اب اہم ان چند امور کا تذکرہ کئے دیتے ہیں جن میں بعض اہل عرب کی افضلیت یا فوقیت ظاہر ہوتی نظر آتی ہے۔ جیسے مسئلہ امارت، یعنی مسلمانوں کا امام کون ہو گا ؟ اب جب کہ تمام عربوں میں قبیلہ قریش کو فضیلت حاصل تھی، اس لئے طبعی طور پر وہ امامت کے حقدار ٹھہرے کہ اگر وہ موجود ہوں، اور یہ امامت بھی ان میں سے ایک شخص ہی کو حاصل ہو گی نہ کہ ہر ایک قریشی کو، اور ایسے ہی قریش ہی میں سے ان کی ایک شاخ بنی ہاشم ہے جن کے لئے صدقہ قبول کرنا حرام قرار دیا گیا اور یہ وہ شاخ ہے کہ جس میں اللہ کے رسول ﷺ کا ظہور ہوا اور اس سے ان کی پاکیزگی کو پایہ تمام تک پہنچانا اور ان سے ہر قسم کی تہمت کو دور کرنا تھا بلکہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ ہدایت دے دی گئی کہ ان کا کوئی ورثہ مال ودولت کی شکل میں نہ ہو گا۔ اور زندگی میں بھی اللہ کے مال میں سے انہیں صرف اتنا دیا جائے گا جس سے وہ خود اور ان کے اہل بیت گذارا کر سکیں، مال غنیمت میں سے بھی ان کے لئے اور ان کے قرابت داروں

کے لئے پانچواں حصہ مقرر کیا گیا اور باقی سارا مال مسلمانوں کی مصلحت عامہ کے لئے مختص کر دیا گیا۔
ایک دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ نکاح کرتے وقت جب کفاءت (برابری) کو دیکھا جاتا ہے تو ایک غیر عربی، عرب کا کفوء نہیں ہوتا۔ لیکن یہ مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے۔
کچھ علما کی رائے ہے کہ کفاءت میں صرف دین کا اعتبار ہوگا اور کچھ لوگ کفاءت میں نسب کا بھی اعتبار کرتے ہیں اور وہ سیدنا عمر کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ میں صاحب حیثیت (ذوات الاحساب) لوگوں کو سوائے اپنے برابر لوگوں کے شادی کرنے سے روکوں گا۔
اور وہ اس لئے کہ نکاح سے اصل مقصود یہ ہے کہ میاں بیوی پیار و محبت سے رہیں ، لیکن اگر عورت اونچی حیثیت کی حامل ہوگی تو وہ اپنے شوہر سے موافقت نہ کر سکے گی اور پھر نکاح کا مقصد حاصل نہ ہو سکے گا۔
اور پھر جن اہل علم کے نزدیک اسے اللہ کا حق قرار دیا گیا ہے وہ تو اس عورت کے نکاح کو سرے سے باطل قرار دیتے ہیں جو دین یا حیثیت کے اعتبار سے اپنے سے کمتر مرد سے شادی کر لیتی ہے اور جو اہل علم اسے ایک شخصی حق قرار دیتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ اپنے سے کمتر شخص سے شادی کرنا عورت کے لئے بھی اور اس کے اولیاء کے لئے بھی شرم کا باعث ہے، اس لئے یہ ان کی اپنے رائے پر موقوف ہے کہ وہ ایسی شادی کریں یا نہ کریں۔
اور پھر معاملہ نسب تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ نسب بھی ان صفات کی طرح ہے کہ جس میں لوگ برابری کا لحاظ رکھتے ہیں جیسے ایک شخص کی کسی خاص کام میں مہارت، یا اس کا دولتمند ہونا یا اس کا آزاد ہونا۔ لیکن یہ سارے اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں دیکھا جائے گا کہ کون سی بات اللہ اور اس کے رسول کے فرمان سے قریب ہے اور کون سی نہیں ، اور جو بات اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق ہو تو اس میں اختلاف کی قطعاً گنجائش نہیں۔
اور اگر یہ قول کسی دوسرے کا ہو تو وہ قابل اعتبار نہیں۔
اور ان معاملات میں نبی ﷺ سے کوئی خاص نص منقول نہیں ہے۔ بلکہ نبی ﷺ تو یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے جاہلیت کا فخر وغرور دور کر دیا ہے۔ لوگ صرف دو طرح کے ہیں: متقی مؤمن اور یا پھر گناہگار بدنصیب۔"
اور صحیح مسلم کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت میں 4 چیزیں جاہلیت کے زمانہ کی ہیں کہ جنہیں لوگ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں، اپنے حسب (سوسائٹی میں اپنے مقام) پر فخر کرنا، نسب میں طعنہ زنی کرنا، نوحہ کرنا، ستاروں سے بارش کی امید رکھنا (یعنی علم نجوم کی مدد حاصل کرنا) اور نبی ﷺ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:
"اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل میں سے کنانہ کا انتخاب کیا، کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے میرا انتخاب کیا تو میں تم سب میں شخصی اعتبار سے بھی اور نسب کے اعتبار سے بھی بہتر ہوں۔"
یہ خلاصہ کلام ہے، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مضمون کا اور خلاصہ بحث یہ ہے کہ اہل عرب میں سے بنی ہاشم اور قریش کو نبی ﷺ کی نسبت سے ایک فضیلت حاصل ہے جس کی وجہ سے انہیں چند خصوصیات سے نوازا گیا ہے لیکن جہاں تک احکام کا تعلق ہے تو وہ ویسے ہی تمام شریعت کے احکامات کے مکلف ہیں جیسے دوسرے مسلمان، اور اس لیے نبی ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع کے مطابق کسی عربی کو غیر عربی پر اور کسی کالے کو گورے پر (یا بالعکس) سوائے بربنائے تقویٰ کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

کتے کی نجاست کا حکم

سوال : کتے کی نجاست کا کیا حکم ہے، مجھے یہ تو معلوم ہے کہ کتے کا لعاب دہن تو نجس ہے اور اسی لیے اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈال لے تو اسے سات دفعہ دھونے کا حکم ہے لیکن اس کے بالوں کا کیا حکم ہے، خاص طور پر اگر وہ اپنے مالک کے ساتھ سیر کرتے ہوئے گندے پانی میں ڈبکیاں لگاتا ہے؟
جواب : اس مسئلہ میں تین اقوال نقل کئے گئے ہیں:
پہلا قول: مالکیہ کا ہے کہ کتے کا بدن، بال، لعاب سب پاک ہیں۔
دوسرا قول احناف اور حنابلہ کا ہے کہ لعاب تو نجس ہے لیکن بدن اور بال پاک ہیں۔
تیسرا قول شوافع اور شیعہ کا ہے کہ کتا سارے کا سارا ناپاک ہے۔ امام احمد کا ایک قول اسی رائے کے موافق بھی ہے اور عصر حاضر میں شیخ ابن باز اور شیخ صالح ابن عثیمین کی بھی یہ رائے ہے۔
اب ان تینوں آراء کے دلائل اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہوں:
1۔ اللہ تعالیٰ نے شکاری کتوں کا منہ سے روکا ہوا شکار حلال قرار دیا ہے۔
(سورۃ المائدۃ:4)
اگر اس کا لعاب ناپاک ہوتا تو منہ سے کیا ہوا شکار کیسے جائز ہوتا؟
اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں اس برتن کو سات دفعہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے، جس میں کتے نے منہ ڈالا ہو تو وہ ایک تعبدی امر ہے، یعنی وہ ایک شرعی حکم ہے کہ جس کی ہم پابندی کرتے ہیں، اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ چیز لازمی طور پر ناپاک ہو، انسان اپنے تھوک، بلغم اور ناک کی رطوبت کو بھی پانی سے صاف کرتا ہے، حالانکہ وہ ناپاک نہیں لیکن ایسا صفائی کی غرض سے کیا جاتا ہے۔
اور سیدنا ابن عمر سے ایک روایت آتی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد کے صحن میں آتے جاتے تھے اور پیشاب بھی کر دیا کرتے تھے اور صحابہ اس پر پانی نہیں چھڑکتے تھے۔ (صحیح بخاری)
اور ظاہر ہے کہ وہ مسجد کی زمین کو مسّ کرتے ہوں گے ، اپنا منہ بھی لگاتے ہوں گے ، اور پھر نبی ﷺ نے نہ ان کو نکالنے کا حکم دیا اور نہ ہی زمین کو دھونے کا۔
اصحاب کہف کا کتا مشہور ہے، جن سات نوجوانوں کا

قصہ بیان کیا گیا ہے، ان کے ساتھ ساتھ ان کے کتے کا بھی ذکر ہے جو گھر اور باہر ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

وہ نوجوان نیک اور صالح افراد تھے، کتا اگر نجس ہوتا تو وہ اُسے کیوں ساتھ رکھتے؟ سلف میں عکرمہ، الزھری، عروۃ بن زبیر، مالک بن اَنس، اوزاعی، ثوری اور ظاہریہ کے امام داؤد بن علی بھی اس رائے کے حامل رہے ہیں۔

2۔ قاعدہ ہے کہ تمام اشیاء اصل میں پاک ہیں، الا یہ کہ کسی نص سے ان کی نجاست ثابت ہو جائے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اگر کتا تمہارے کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اُسے سات دفعہ دھونے سے پاک کیا جائے اور سب سے پہلے مٹی سے صاف کیا جائے۔“ (صحیح مسلم)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مسلک کو اپنایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

راجح قول یہی ہے کہ بال سب کے سب پاک ہیں، چاہے وہ کتے کے ہوں یا سؤر کے، یا کسی دوسرے جانور کے، سوائے لعاب کے، اور اس لحاظ سے اگر کتے کے بال گیلے بھی ہوں اور وہ انسان کے کپڑوں سے مسّ ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہی مذہب جمہور فقہاء جیسے امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد (ایک قول کے مطابق) ہے اور وہ اس لیے کہ اشیاء میں اصل طہارت ہے، اور بغیر دلیل کے کسی چیز نجاست یا حرمت کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔“ (فتاوی : 1/264)

3۔ تیسرے قول کی دلیل بھی مذکورہ حدیث ہی ہے اور اس کے قائل شوافع، امام احمد (ایک قول کے مطابق) اور شیعہ ہیں۔

ان کا استدلال اس بات سے ہے کہ کتے کے جھوٹے کو پھینکنے کا حکم دیا گیا، جبکہ کسی بھی مال کو ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے، یعنی کتے کے منہ ڈالنے کی وجہ برتن میں جو کچھ بھی تھا سب نجس ہو گیا، یہاں تک کہ برتن بھی ناپاک ہو گیا کہ اسے مٹی سے اور پھر سات دفعہ پانی سے دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ منہ کے ساتھ ساتھ اس کے بال بھی برتن سے مس ہوئے ہیں، اس لیے نہ صرف اس کا لعاب دہن بلکہ بال بھی نجس ہیں۔

ہم نے یہ تینوں قول اور ان کے دلائل ذکر کر دیئے ہیں اور بظاہر دوسرا قول ہی راجح دکھائی دیتا ہے کہ اسے اختیار کرنے میں آیات اور حدیث دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ یعنی کتے کو شکار، گھر اور بھیڑوں کی حفاظت کے لئے رکھا جاسکتا ہے؟ اور جب اُسے پالا جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ انسان اس کے جسم اور اس کے بالوں کو مس کرنے سے بچ نہیں سکے گا، البتہ اگر وہ کسی برتن میں منہ ڈال دے تو پھر اس برتن کو دھو کر صاف کرنا ضروری ہو گا۔

نعت رسول

(موجودہ صورتحال کے تناظر میں)

نذر عقیدت لکھ کر تم بھی شامل کچھ اشعار کرو
پیارے نبی پر نعتیں لکھ کر دل کو بھی انوار کرو

تم ساری دنیا میں جاری نظم شہ ابرار کرو
اپنے عمل سے ثابت کر کے اس کا تم اظہار کرو

ہونے لگے ہیں پھر ہر سو، ناموس رسالت پر حملے
دین مبیں کے بن کے محافظ فتنہ وشر پر وار کرو

محسن انساں کی سیرت سے آج یہ دنیا غافل ہے
سنت سرور زندہ کر کے قلب وجگر سرشار کرو

دین نبی پر جو بھی فدا ہے، وہ اللہ کو پیارا ہے
ہر محفل میں، ہر مجلس میں تم اس کا اظہار کرو

قول وعمل کے پیکر بن کر مؤمن کامل بن جاؤ
پڑھ کے زباں سے کلمۂ طیب، دل سے بھی اقرار کرو

سوئی ہوئی ہے قوم مسلم خواب میں غفلت کے گم ہے
پیغام قرآن سنا کر سب کو اب بیدار کرو

جام شہادت پینے کو تیار مسلماں رہتا ہے
ڈر نہیں سکتا موت سے ہرگز جیسی بھی یلغار کرو

نسل وزباں یا کالے گورے میں ہے نہیں تفریق نسیم
دین نبی پر چل کر تم بھی اس بت کو مسمار کرو

محمد فاروق نسیم برمنگھم



حدیث نمبر: 56

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عَنْه قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : «صَلاةُ الرَّجُلِ فِي الجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلاتِهِ فِي بَيْتِهِ، وَفِي سُوقِهِ، خَمْساً وَعِشْرِينَ ضِعْفاً، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ - لا يُخْرِجُهُ إلا الصّلاةُ- لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إلا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بها خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلّى لَمْ تَزَلِ الْمَلائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ، مَا دَامَ فِي مُصَلاهُ : اللّهُمّ صَلِّ عَلَيْهِ، اللّهُمّ اغْفِرْ لَهُ، اللّهُمّ ارْحَمْهُ، وَلا يَزَالُ فِي صَلاةٍ مَا انْتَظَرَ الصّلاةَ».

(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب فضل صلاة الجماعة، برقم 647، ومسلم بنحوه، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة، وبيان التشديد في التخلف عنها، برقم 649)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : "ایک شخص کا باجماعت نماز پڑھنا اس کے گھر یا بازار میں نماز پڑھنے سے اس کے لیے 25 گنا زیادہ ثواب بڑھادیا جاتا ہے یہ اس لئے کہ جب وہ وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر اپنے گھر سے مسجد کی طرف نکلتا ہے اسے صرف نماز ہی نکالتی ہے نہیں اٹھاتا وہ ایک قدم مگر اس کے بدلے ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں جب تک وہ اپنی نماز کی جگہ بیٹھا رہتا ہے الٰہی اس پر رحمت نازل فرما، الٰہی اسے بخش دے، الٰہی اس پر رحم فرما وہ نماز میں ہی رہتا ہے جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے۔"

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : صَلَاةُ الرَّجُلِ فِيْ جَمَاعَةٍ: مرد کا باجماعت نماز پڑھنا۔

2 : تُضَعَّفُ :بڑھادیا جاتا ہے۔

3 : فِيْ سُوْقِهِ: اپنے بازار میں۔

4 : اِذَا تَوَضَّاَ :جب وہ وضوء کرتا ہے۔

5 : رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ: اس کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند کر دیا گیا۔

6 : لَمْ تَزَلِ الْمَلائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ :فرشتے لگاتار اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔

7 : مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ :جب تک اپنی جائے نماز میں رہے۔

8 : اَللّٰهُمّ صَلِّ عَلَيْهِ :الٰہی اس پر صلاۃ بھیج۔

9 : اَللّٰهُمّ اغْفِرْ لَهُ :الٰہی اسے بخش دے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1: مسجد میں باجماعت نماز کا ثواب انفرادی نماز سے ستائیس یا پچیس درجے زیادہ ملتا ہے۔

2: نماز کی صحت کے لیے جماعت شرط نہیں البتہ راجح قول کے مطابق مرد کے لیے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا فرض ہے انفرادی بھی ہو جاتی ہے لیکن ثواب اس کا کم ملے گا۔ اور انفرادی نماز پڑھنے کو معمول بھی نہیں بنایا جاسکتا ہے کیونکہ جماعت سے پیچھے رہنے کی سخت الفاظ میں وعید ہے۔

3۔ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت اچھی طرح وضو کرنے، مسجد کی طرف جانے، خالص نیت سے عبادت کرنے اور نماز کے انتظار میں بیٹھنے کی بناء پر بڑھتی ہے۔

4۔ اس حدیث کے مطابق اچھی طرح وضوء کرنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے اور وضو میں عموماً لوگ جلدی کرتے ہیں جس کی وجہ سے بعض دفعہ وضو کمال طریقے سے نہیں ہوتا ہے اور باجماعت نماز کی فضیلت پانے کے لیے اچھی طرح یعنی سنت کے مطابق وضو کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح کسی بھی عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ جو شخص باجماعت نماز کی ادائیگی کی خالص نیت سے مسجد میں جائے گا اس کو باجماعت نماز کا ثواب ملے گا۔

5۔ نماز کا انتظار کرنے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا نماز پڑھنے والے کو دیا جاتا ہے۔

6۔ اس حدیث سے مسلمان معاشرے میں مسجد کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ بغیر مسجد کی کتنی بڑی خیر سے محرومی ہے۔

7۔ اس حدیث مبارکہ سے نیک عمل سے گناہ کا معاف ہونا اور مؤمن کے درجات کا بلند ہونا ثابت ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ مسجد کی طرف اٹھنے والے قدم کے بدلے درجہ بلند ہوتا ہے اور گناہ معاف ہوتا ہے۔

8۔ مسجد میں صرف باوضوء ہو کر ٹھہرنا اتنا عظیم عمل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللّهُمّ صَلِّ عَلَيْهِ، اللّهُمّ اغْفِرْ لَهُ، اللّهُمّ ارْحَمْهُ، وَلا يَزَالُ فِي صَلاةٍ مَا انْتَظَرَ الصّلاةَ

" فرشتے ایسے خوش نصیب کے لیے مسلسل یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس پر صلاۃ بھیج، اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم فرما۔ اور اللہ ایسے خوش نصیب کو ایسے ہی شمار کرتا ہے جیسے کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے۔"

9۔ غیر نبی کے لیے صلاۃ کا لفظ قرآن وحدیث میں

متعدد بار وارد ہوا ہے۔ اور صلاۃ کا معنی اہل علم کے راجح قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کا بندے کا ملاء اعلیٰ میں ذکر خیر اور ثنا کرنا ہے اور یہ مقام مرتبہ بہت عظیم ہے۔

10۔ نماز کا انتظار کرنا بڑے اعمال میں سے ہے اور حدیث میں اس عمل خیر کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

باجماعت نماز کے اہتمام کرنے کی فضیلت کا بیان

حدیث نمبر:57

عَنْ أبي هريرة رضي الله عَنْه قال : قال رسول الله ﷺ : «إِنّ أَثْقَلَ الصّلاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ، صَلاةُ الْعِشَاءِ، وَصَلاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِالصّلاةِ، فَتُقَامَ، ثُمّ آمُرَ رَجُلاً فَيُصَلِّيَ بِالنّاسِ، ثُمّ أَنْطَلِقَ مَعِي بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حِزَمٌ مِنِ حَطَبٍ، إِلَى قَوْمٍ لا يَشْهَدُونَ الصّلاةَ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنّارِ».(رواه البخاري، كتاب الأذان، باب فضل العشاء في الجماعة، برقم 657، ومسلم، واللفظ له، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة، ، برقم 252-(651)]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:عشاء اور صبح کی نماز منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے اور اگر وہ جان لیں کہ ان دونوں میں کتنا ثواب ہوتا ہے تو ان کی ادائیگی کے لیے گھٹنوں کے بل چل کر آئیں اور میں نے ارادہ کیا کہ میں نماز کا حکم دوں تو اس کے لیے اقامت کہہ دی جائے پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں چند اشخاص کو لے کر چلوں جن کے پاس ایندھن کے گٹھے ہوں ان لوگوں کی طرف جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے تو ان کے گھروں کو آگ سے جلا دوں۔

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : أَثْقَلُ :سب سے زیادہ بوجھل، بھاری۔

2 : لَوْ يَعْلَمُونَ :اگر وہ جان لیں۔

3 : مَا فِيْهِمَا :ان دونوں میں کیا(اجر و فوائد) ہے۔

4 : لَأَتَوْهُمَا :ضرور ان دونوں کے لیے آئیں۔

5 : وَلَوْ حَبْوًا :اگرچہ گھٹنوں کے بل آئیں۔

6 : لَقَدْ هَمَمْتُ : یقیناً میں نے ارادہ کیا۔

7 : آمُرَ بِالصَّلَاةِ :نماز کا حکم دوں

8 : فَتُقَامَ :تو کھڑی کی جائے، اقامت کہی جائے۔

9 : آمُرَ رَجُلًا: کسی شخص کو میں حکم دوں۔

10 : فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ: تو وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔

11 : ثُمّ أَنْطَلِقَ مَعِيْ بِرِجَالٍ :پھر میں چند آدمیوں کو لے کر چلوں۔

12 : حِزَمُ مِنْ حَطَبٍ :ایندھن کے گٹھے۔

13 : لَا يَشْهَدُوْنَ بالصَّلَاةَ :نماز میں حاضر نہیں ہوتے۔

14 : أُحَرِّقَ :میں جلا دوں۔

15 : بُيُوْتَهُمْ :ان کے گھر۔

16 : بِالنَّارِ:آگ کے ساتھ۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ عاقل، بالغ تندرست مسلمان مرد کے لئے مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا فرض ہے۔ جماعت سے مراد وہ جماعت ہے جو کسی بھی مسجد میں وقت مقرر پر ہوتی ہے۔اس نماز سے پہلے یا تاخیر سے جا کر اپنی جماعت کرانا مراد نہیں ہے۔

2۔ جس نے بغیر شرعی عذر کے باجماعت نماز نہ پڑھی وہ گنہگار ہے اور سزا کا مستحق ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں جماعت میں شریک نہ ہونے والوں کے لیے سخت وعید کے الفاظ ہیں۔

3۔ مصالح کو حاصل کرنے سے پہلے مفاسد کو ہٹانا ضروری ہے۔ جیسا کہ گھروں میں بچے، عورتیں اور معذور افراد ہو سکتے ہیں اس لیے آپ نے صرف وعید اور تنبیہ کی۔

4۔ کسی مصلحت و حکمت کی وجہ سے جائز عمل کو چھوڑنا جیسا کہ آپ نے صرف وعید سنائی مگر اس پر عمل نہیں کیا۔

5۔ نماز کھڑی کرنے کا اختیار امام کا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا : أَنْ آمُرَ بِالصّلاةِ، فَتُقَامَ "میں نماز کا حکم دوں پھر وہ کھڑی ہو یا اس کی اقامت کہی جائے۔

اس لیے مقتدیوں کو امام سے پہلے صف بنا کر نہ کھڑا ہونا چاہیے اور نہ ہی اقامت کہنی چاہیے۔ جب امام مسجد میں آ جائے اور وہ جماعت کرانے کے لیے تیار ہوں تب مقتدیوں کو صف بنانی چاہیے اور اقامت کہنی چاہیے۔

6۔ اقامت ہونے کے بعد بھی امام کسی دوسرے شخص کو نماز پڑھانے کے لیے کہہ سکتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ثُمّ آمُرَ رَجُلاً فَيُصَلِّيَ بِالنّاسِ

"پھر میں کسی شخص کو حکم دوں پھر وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔"

7۔ بعض دفعہ اہم بات کی ترغیب یا حکم دینے کے لیے سخت الفاظ استعمال کرنا جیسے آپ نے فرمایا :

ثُمّ أَنْطَلِقَ مَعِي بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حِزَمٌ مِنِ حَطَبٍ، إِلَى قَوْمٍ لا يَشْهَدُونَ الصّلاةَ، فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ بِالنّار

"پھر میں کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لوں جن کے پاس آگ کے گٹھے ہوں اور پھر ان لوگوں کے گھروں کو آگ سے جلا دوں۔"

8۔ منافق نماز اس لیے پڑھتے ہیں تاکہ لوگ انہیں دیکھ لیں ان کا مقصد صرف دکھلاوا ہوتا ہے کیونکہ وہ دل سے مومن نہیں ہوتے ہیں بلکہ دنیاوی مفادات کے لیے اسلام کو قبول کرتے ہیں۔

9۔ عشاء اور صبح کی باجماعت نماز کی ادائیگی کی اہمیت و فضیلت کا بیان۔

10۔ عشاء اور صبح کی نماز کی باجماعت ادائیگی منافقوں پر باقی نمازوں کے مقابلے میں بھاری ہوتی ہے کیونکہ وہ آرام کا وقت ہوتا ہے اور اندھیرے کی وجہ سے لوگ بھی نہیں دیکھ سکتے ہیں اس لیے منافق ان دونوں نمازوں کی جماعت سے پیچھے رہتا ہے۔



امر بالمعروف ونہی عن المنکر

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهِ فَلْيَفْعَلْ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان وأن الإيمان يزيد وينقص:49 -سنن أبوداؤد، كتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العيد: 1140 -سنن ترمذی، أبواب الفتن، باب ما جاء في تغيير المنكر باليد أو باللسان أو بالقلب: 2172-سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة العيدين: 1275)

"تم میں سے جو شخص برائی دیکھے، اگر تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے ختم کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے ایسا کرنا چاہیے، لیکن اگر اس کے پاس اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دِل سے ہی بُرا جانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ میں برائی کو ختم کرنے کے تین مراتب بیان ہوئے ہیں:

1۔سب سے افضل مرتبہ یہ ہے کہ برائی کو ہاتھ سے روکا جائے۔

2۔اس سے کم فضیلت والا مرتبہ یہ ہے کہ برائی کرنے والے کو زبان سے منع کیا جائے۔

3۔تیسرا مرتبہ ان دونوں سے کم فضیلت والا ہے، وہ یہ کہ برائی کو دِل میں ہی بُرا جانا جائے۔ یادرہے کہ دوسرا مرتبہ تبھی اختیار کیا جا سکتا ہے جب پہلے پر عمل کی طاقت نہ ہو اور تیسرا بھی اسی صورت میں اختیار کیا جائے گا جب دوسرے کی بھی استطاعت نہ ہو، لیکن اگر افضل درجے کی استطاعت موجود ہو تو ادنیٰ درجے کو اختیار کرنا درست نہیں ہے بلکہ اسی پر عمل کرنا ضروری ہے جس کا وہ اہل ہے۔ پھر یہ فریضہ صرف علماء کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ ہر صاحبِ ایمان شخص پر اس کی حیثیت واستطاعت کے مطابق واجب ہے۔

حسنِ خُلق، فراخ دِلی اور نرم مزاجی

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

إِنّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَإِنَّهُ كَانَ يَقُولُ: «إِنّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا»(صحيح بخاری، كتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، وما يكره من البخل: 6035 -صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب كثرة حيائه ﷺ : 2321)

"رسول اللہ ﷺ بد زبان اور لڑنے جھگڑنے والے نہیں تھے، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: یقیناً تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اخلاق کے لحاظ سے تم سب سے اچھا ہے۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا» وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ : «بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ» (سنن أبوداؤد، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان...: 4682-مسند أحمد: 250/2 -سلسلة الأحاديث الصحيحة:284)

"مؤمنوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو ان میں بہ اعتبارِ اخلاق سب سے اچھا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے ہی بھیجا گیا ہے۔"

گویا جو شخص اخلاقی اوصاف سے کامل طور پر متصف نہ ہو وہ کامل مؤمن بھی نہیں ہوتا اور خود کو کامل مؤمن بنانے کے لیے اخلاقِ حسنہ کا اہتمام ضروری ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«إِنّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ»(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق:4798)

"بلاشائبہ بندۂ مومن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے رات کو قیام کرنے اور دِن کو روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ پا لیتا ہے۔"

یعنی خود کو اچھے اخلاق سے متصف کر لینے سے آدمی اتنے اجر وثواب کا حقدار بن جاتا ہے، جتنا ثواب وہ شخص کماتا ہے جو دِن کو روزہ رکھتا ہو اور رات اللہ کے حضور کھڑے ہو کر نماز میں بسر کرتا ہو۔"

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ

الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ» وَقَالَ ﷺ : «أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ خُلُقٌ حَسَنٌ إِنّ اللهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ» (سنن ترمذی، أبواب البروالصلة، باب ما جاء في حسن الخلق: 2002 -سلسلة الأحاديث الصحيحة:519)

"جسے نرمی سے کچھ حصہ عطا کر دیا گیا اسے بھلائی کے کچھ حصے سے نواز دیا گیا اور جو نرمی کے کچھ بھی حصے سے محروم رہا اسے خیر وبھلائی کے حصے سے ہی محروم کر دیا گیا اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: "میزانِ عمل میں سب سے بھاری چیز اچھا اخلاق ہے، بلاشبہ اللہ بے حیاء اور بد زبان شخص سے نفرت کرتا ہے۔"

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنّ اللهَ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ وَمَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ، وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا»

(سلسلة الأحاديث الصحيحة:1378)

"یقیناً اللہ تعالیٰ بہت صاحبِ کرم ہے، وہ عالی ظرف اور بلند اخلاق کو پسند فرماتا ہے اور کمینہ خصلت کو ناپسند فرماتا ہے۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ، وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيمٌ»

(سنن أبوداؤد، کتاب الأدب، باب في حسن العشرة: 4790-سنن ترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في البخيل: 1964 -سلسلة الأحاديث الصحيحة:935)

"مومن سادہ لوح اور کشادہ ظرف ہوتا ہے، جبکہ فاجر چالاک فریبی اور تنگ ظرف ہوتا ہے۔"

یعنی چالاکی، فریبی، دغابازی، کم ظرفی اور گھٹیا پن جیسے تمام خصائلِ رزیلہ ایک حقیقی مؤمن کی شان کے لائق نہیں ہیں بلکہ یہ فاجر وفاسق وفاجر شخص کی خصلتیں ہیں۔ مومن کا تو ان سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ يَأْلَفُ، وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ» (مسند أحمد: 35/5 -سلسلة الأحاديث الصحيحة:426)

"مؤمن اُلفت ومحبت رکھنے والا ہوتا ہے اور ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی جو نہ تو خود کسی سے اُلفت رکھتا ہو اور نہ ہی اس سے کوئی رکھے۔"

اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائیوں سے خود الفت ومحبت رکھے گا تو ہی وہ ان کی محبت پائے گا، لیکن اگر وہ کسی کو اس لائق ہی نہ گردانے کہ اس پہ اپنی محبت نچھاور کرے تو اسے بھی کوئی قابلِ التفات نہیں سمجھے گا اور ایسا شخص بہ فرمانِ نبوی ﷺ خیر وبھلائی سے قاصر ہوتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کے دِلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں بھی محبت کا مقام دیا جائے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ هَيِّنًا لَيِّنًا سَهْلًا قَرِيبًا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ»(سنن ترمذی، أبواب صفة القيامة، باب منه: 2488 -مسند أحمد: 415/1-سلسلة الأحاديث الصحيحة:938)

"جو شخص باوقار وسنجیدہ، نرم مزاج، (لوگوں کے لیے) آسانی پیدا کرنے والا اور قربت رکھنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ پر حرام کر دیتا ہے۔"

سیدنا مکحول رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُؤْمِنُونَ هَيِّنُونَ لَيِّنُونَ، كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ الَّذِي إِنْ قِيدَ انْقَادَ، وَإِنْ أُنِيخَ اسْتَنَاخَ عَلَى صَخْرَةٍ» (سلسلة الأحاديث الصحيحة:936)

"باوقار اور سنجیدہ مؤمنین نکیل والے اس اونٹ کے مانند ہیں کہ جسے باندھ دیا جائے تو وہ بندھ جائے اور اگر اسے بیٹھنے کو کہا جائے تو وہ چٹان پر بھی بیٹھ جائے۔"

یعنی حقیقی مؤمن کی یہ صفت ہوتی ہے کہ اس میں اکڑ اور انا نہیں ہوتی، بلکہ نہایت عاجز، منکسر مزاج اور فرمانبردار شخص ہوتا ہے۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَحِمَ اللهُ عَبْدًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، سَمْحًا إِذَا اشْتَرَى، سَمْحًا إِذَا اقْتَضَى»

(صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب السهولة والسماحة في الشراء والبيع: 2076)

"اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو (سودا) بیچتے وقت نرمی کرتا ہے، خریدتے وقت بھی اور جب تقاضا کرتا ہے تب بھی نرمی سے کام لیتا ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کے لیے رحم کی دعا فرمائی ہے جو ہر معاملے میں نرمی اپناتا ہے، کسی بھی کام میں سختی و درشتی کا قائل نہیں ہوتا۔ وہ ہستی کہ اللہ تعالیٰ کے بعد اسی کا درجہ ہے اور وہ تمام جہانوں سے افضل واعلیٰ ہے، اس ہستی کی دعا کا حقدار بننے کے لیے اپنے آپ میں نرمی پیدا کر لینا کوئی بڑا عمل نہیں ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مَا رَأَيْتُ رَجُلًا قَطُّ الْتَقَمَ أُذُنَ النَّبِيِّ ﷺ فَيُنَحِّي رَأْسَهُ حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ الَّذِي يُنَحِّي رَأْسَهُ، وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَخَذَ بِيَدِهِ رَجُلٌ فَيَتْرُكُ يَدَهُ حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ الَّذِي يَدَعُ يَدَهُ . (سنن

أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في حسن العشرة: 4794)

"میں نے کبھی کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اس نے نبی ﷺ کے کان میں کوئی بات کہی ہو تو آپ ﷺ نے اپنا سر دُور کر لیا ہو، یہاں تک کہ وہ آدمی خود ہی اپنا سر دُور کر لیتا تھا اور نہ ہی میں نے ایسا کبھی دیکھا کہ کسی نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا ہو تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہو، یہاں تک کہ وہ آدمی خود ہی آپ ﷺ کا ہاتھ چھوڑ دیتا تھا۔"

یعنی آپ ﷺ اخلاقیات سے متعلقہ چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ مبادا کسی شخص کے دل میں کوئی بات نہ آ جائے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهِ فَلْيَفْعَلْ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان وأن الإيمان يزيد وينقص: 49 -سنن أبوداؤد، كتاب الصلاة، باب الخطبة يوم العيد: 1140 -سنن ترمذي، أبواب الفتن، باب ما جاء في تغيير المنكر باليد: 2172 -سنن ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ما جاء في صلاة العيدين:1275)

"تم میں سے جو شخص برائی دیکھے، اگر تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے ختم کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے ایسا کرنا چاہیے، لیکن اگر اس کے پاس اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دِل سے ہی بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اس حدیثِ مبارکہ میں برائی کو ختم کرنے کے تین مراتب بیان ہوئے ہیں:

1۔ سب سے افضل مرتبہ یہ ہے کہ برائی کو ہاتھ سے روکا جائے۔

2۔ اس سے کم فضیلت والا مرتبہ یہ ہے کہ برائی کرنے والے کو زبان سے منع کیا جائے۔

3۔ تیسرا مرتبہ ان دونوں سے کم فضیلت والا ہے، وہ یہ کہ برائی کو دِل میں ہی بُرا جانا جائے۔

یاد رہے کہ دوسرا مرتبہ تبھی اختیار کیا جا سکتا ہے جب پہلے پر عمل کی طاقت نہ ہو اور تیسرا بھی اسی صورت میں اختیار کیا جائے گا جب دوسرے کی بھی استطاعت نہ ہو، لیکن اگر افضل درجے کی استطاعت موجود ہو تو ادنی درجے کو اختیار کرنا درست نہیں ہے بلکہ اسی پر عمل کرنا ضروری ہے جس کا وہ اہل ہے۔ پھر یہ فریضہ صرف علماء کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے بلکہ ہر صاحب ایمان شخص پر اس کی حیثیت واستطاعت کے مطابق واجب ہے۔

حُسنِ خُلق، فراخ دِلی اور نرم مزاجی

سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

إِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَإِنَّهُ كَانَ يَقُولُ: «إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا» (صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، وما يكره من البخل: 6035 -صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب كثرة حيائه ﷺ:2321)

"رسول اللہ ﷺ بد زبان اور لڑنے جھگڑنے والے نہیں تھے، آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے: یقیناً تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اخلاق کے لحاظ سے تم سب سے اچھا ہے۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا» وَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ» (سنن أبوداؤد، كتاب السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان: 4682 -مسند أحمد: 250/2 -سلسلة الأحاديث الصحيحة:284)

"مؤمنوں میں سے کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو ان میں بہ اعتبارِ اخلاق سب سے اچھا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے ہی بھیجا گیا ہے۔"

گویا جو شخص اخلاقی اوصاف سے کامل طور پر متصف نہ ہو وہ کامل مؤمن بھی نہیں ہوتا اور خود کو کامل مؤمن بنانے کے لیے اخلاقِ حسنہ کا اہتمام ضروری ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ» (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في حسن الخلق:4798)

"بلاشائبہ بندۂ مومن اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے رات کو قیام کرنے اور دِن کو روزہ رکھنے والے شخص کا درجہ پالیتا ہے۔"

یعنی خود کو اچھے اخلاق سے متصف کر لینے سے آدمی اتنے اجر وثواب کا حقدار بن جاتا ہے جتنا ثواب وہ شخص کماتا ہے جو دِن کو روزہ رکھتا ہو اور رات اللہ کے حضور کھڑے ہو کر نماز میں بسر کرتا ہو۔

سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ، وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ فَقَدْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الْخَيْرِ». وَقَالَ ﷺ: «أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ خُلُقٌ حَسَنٌ إِنَّ اللهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ» (سنن ترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في

حسن الخلق: 2002 -سلسلة الأحاديث الصحيحة:519)

”جسے نرمی سے کچھ حصہ عطا کر دیا گیا اسے بھلائی کے کچھ حصے سے نواز دیا گیا اور جو نرمی کے کچھ بھی حصے سے محروم رہا اسے خیر وبھلائی کے حصے سے ہی محروم کر دیا گیااور آپ ﷺ کا فرمان ہے: میزانِ عمل میں سب سے بھاری چیز اچھا اخلاق ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حیاء اور بد زبان شخص سے نفرت کرتا ہے۔“

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ كَرِيمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ وَمَعَالِيَ الْأَخْلَاقِ، وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا»

(سلسلة الأحاديث الصحيحة: 1378)

”یقیناً اللہ تعالیٰ بہت صاحبِ کرم ہے، وہ عالی ظرف اور بلند اخلاق کو پسند فرماتا ہے اور کمینہ خصلت کو ناپسند فرماتاہے۔“

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ غِرٌّ كَرِيمٌ، وَالْفَاجِرُ خَبٌّ لَئِيمٌ»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في حسن العشرة: 4790- سنن ترمذى، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في البخيل: 1964 -سلسلة الأحاديث الصحيحة:935)

”مومن سادہ لوح اور کشادہ ظرف ہوتاہے، جبکہ فاجر چالاک فریبی اور تنگ ظرف ہوتاہے۔“

یعنی چالاکی، فریبی، دغابازی، کم ظرفی اور گھٹیاپن جیسے تمام خصائلِ رزیلہ ایک حقیقی مومن کی شان کے لائق نہیں ہیں بلکہ یہ فاجروفاسق وفاجر شخص کی خصلتیں ہیں۔ مومن کاتوان سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوناچاہیے۔

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُؤْمِنُ يَأْلَفُ، وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ» (مسند أحمد: 35/5-سلسلة الأحاديث الصحيحة:426)

”مؤمن اُلفت ومحبت رکھنے والا ہوتا ہے اور ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی جو نہ تو خود کسی سے اُلفت رکھتا ہو اور نہ ہی اس سے کوئی رکھے۔“

اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائیوں سے خود الفت ومحبت رکھے گا تو ہی وہ ان کی محبت پائے گا، لیکن اگر وہ کسی کو اس لائق ہی نہ گردانے کہ اس پہ اپنی محبت نچھاور کرے تو اسے بھی کوئی قابلِ التفات نہیں سمجھے گا اور ایسا شخص بہ فرمانِ نبوی ﷺ خیر وبھلائی سے قاصر ہوتا ہے۔ لہٰذا لوگوں کے دِلوں میں اپنی محبت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں بھی محبت کا مقام دیاجائے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ هَيِّنًا لَيِّنًا سَهْلًا قَرِيبًا حَرَّمَهُ اللَّهُ عَلَى النَّارِ» (سنن ترمذى، أبواب صفة القيامة، باب منه: 2488 -مسند أحمد:415/1 - سلسلة الأحاديث الصحيحة:938)

”جو شخص باوقار وسنجیدہ، نرم مزاج، (لوگوں کے لیے) آسانی پیدا کرنے والا اور قربت رکھنے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ پر حرام کر دیتاہے۔“

سیدنا مکحول رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«الْمُؤْمِنُونَ هَيِّنُونَ لَيِّنُونَ، كَالْجَمَلِ الْأَنِفِ الَّذِي إِنْ قِيدَ انْقَادَ، وَإِنْ أُنِيخَ اسْتَنَاخَ عَلَى صَخْرَةٍ»(سلسلة الأحاديث الصحيحة:936)

”باوقار اور سنجیدہ مؤمنین نکیل والے اس اونٹ کے مانند ہیں کہ جسے باندھ دیا جائے تو وہ بندھ جائے اور اگر اسے بیٹھنے کو کہا جائے تو وہ چٹان پر بھی بیٹھ جائے۔“

یعنی حقیقی مؤمن کی یہ صفت ہوتی ہے کہ اس میں اَکڑ اور انا نہیں ہوتی، بلکہ نہایت عاجز، منکسر مزاج اور فرمانبردار شخص ہوتا ہے۔

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَحِمَ اللَّهُ عَبْدًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، سَمْحًا إِذَا اشْتَرَى، سَمْحًا إِذَا اقْتَضَى»

(صحيح بخارى، كتاب البيوع، باب السهولة والسماحة في الشراء والبيع: 2076)

”اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو (سودا) بیچتے وقت نرمی کرتا ہے، خریدتے وقت بھی اور جب تقاضا کرتا ہے تب بھی نرمی سے کام لیتاہے۔“

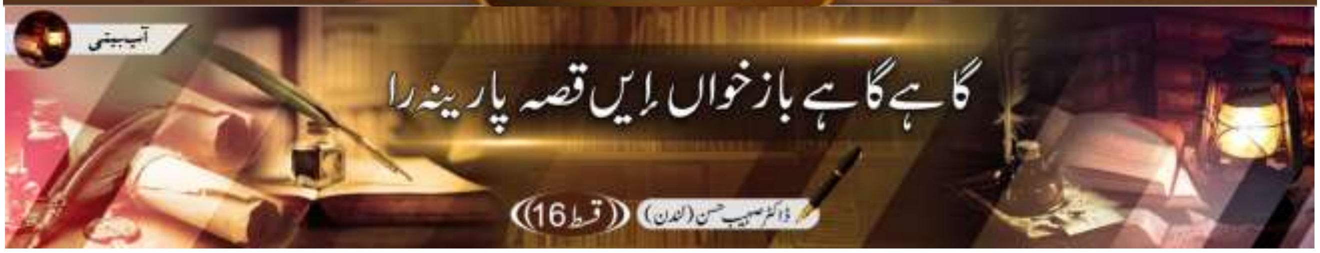
نبی کریم ﷺ نے ایسے شخص کے لیے رحم کی دعا فرمائی ہے جو ہر معاملے میں نرمی اپناتا ہے، کسی بھی کام میں سختی ودرشتی کا قائل نہیں ہوتا۔ وہ ہستی کہ اللہ کے بعد اسی کادرجہ ہے اور وہ تمام جہانوں سے افضل واعلیٰ ہے، اس ہستی کی دعاکا حقدار بننے کے لیے اپنے آپ میں نرمی پیدا کرلینا کوئی بڑا عمل نہیں ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

مَا رَأَيْتُ رَجُلًا قَطُّ الْتَقَمَ أُذُنَ النَّبِيِّ ﷺ فَيُنَحِّي رَأْسَهُ حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ الَّذِي يُنَحِّي رَأْسَهُ، وَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَخَذَ بِيَدِهِ رَجُلٌ فَيَتْرُكُ يَدَهُ حَتَّى يَكُونَ الرَّجُلُ هُوَ الَّذِي يَدَعُ يَدَهُ . (سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في حسن العشرة:4794)

”میں نے کبھی کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ اس نے نبی ﷺ کے کان میں کوئی بات کہی ہو تو آپ ﷺ نے اپنا سر دُور کر لیا ہو، یہاں تک کہ وہ آدمی خود ہی اپنا سر دُور کر لیتا تھا اور نہ ہی میں نے ایسا کبھی دیکھاکہ کسی نے آپ ﷺ کاہاتھ پکڑا ہو تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہو، یہاں تک کہ وہ آدمی خود ہی آپ ﷺ کاہاتھ چھوڑدیتاتھا۔“

یعنی آپ ﷺ اخلاقیات سے متعلقہ چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ مبادا کسی شخص کے دل میں کوئی بات نہ آجائے۔



1984ء کے متفرق واقعات

☆ جنوری: محمد سلیمان جیٹھا کی معیت میں مکہ مکرمہ جانا ہوا، جہاں شیخ ابن باز کے ساتھ ان کے دفتر میں اور پھر ان کی دعوت پر ان کی رہائش گاہ میں ان کے ساتھ ظہرانے میں شریک ہوئے، جیٹھا صاحب کا تعلق اسماعیلی جماعت کے ساتھ تھا لیکن ایسٹ لندن مسجد کے ٹرسٹی کی حیثیت سے وہ مذہب اہل سنت اختیار کر چکے تھے لیکن اسماعیلیوں کے امام عبدالکریم آغاخان کا بڑے احترام سے ذکر کیا کرتے تھے۔

☆ 12 فروری سے 18 مارچ تک جزائر فیجی کے ایک دعوتی پروگرام میں شریک رہا۔ یہ سفر براہ لاس انجلیز (امریکا)، ہنولولو طے ہوا۔ اس سفر کی یاد داشتیں میرے سفر نامہ فیجی میں شائع ہو چکی ہیں جو میری کتاب بعنوان 'ابن بطوطہ ہوا کرے کوئی' کے مندرجات میں شامل ہیں۔

بس اتنا ذکر کرتا چلوں کہ جاتے وقت جب ہم خط تاریخ (Date Line) سے گزرے تو ایک دن کیلنڈر سے غائب ہو گیا یعنی 13 فروری، 14 قرار پایا۔ لیکن واپسی میں یہ دن اسی خط تاریخ کی وجہ سے واپس مل گیا یعنی 16 مارچ کا دن 15 مارچ شمار کیا گیا۔

☆ 12 اپریل: ومبلڈن کی جامع مسجد مفتی عبدالباقی کی وجہ سے شہرت رکھتی تھی، شریعت کونسل سے متعلق ایک عائلی مسئلہ کو نمٹانے کے لیے ڈاکٹر سید الدرش اور جناب خالد صدیقی کی معیت میں ان سے ملاقات کی۔

☆ ماہ اپریل میں 34 فرانسس روڈ کے مکانات کی خرید مکمل ہو چکی تھی جسے مسجد اور مدرسۃ التوحید کا نام دیا گیا۔ مکان سے مسجد بننے کی ساری تفصیل میری کتاب 'انگلستان میں اسلام' میں آچکی ہے۔ یہاں اتنا اضافہ کرتا چلوں کہ یہ مسجد جماعت اہل حدیث کی لندن میں اولین مسجد تھی اور اسے مَبَرّہ شیخ ابن باز کہنا بالکل درست ہو گا کیونکہ اس مکان کی کل قیمت 24 ہزار پاؤنڈ لگائی گئی تھی اور اس کا خریدنا اسی وقت ممکن ہوا جب شیخ ابن باز نے میرے نام پر 20 ہزار پاؤنڈ کا چیک ارسال کیا، یہ صرف اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ شیخ ابن باز مجھ پر کتنا اعتماد کرتے تھے، وگرنہ عام طور پر ایسی رقم کا چیک شخصی طور پر نہیں بلکہ ادارے کے نام لکھا جاتا ہے۔ اللہ انہیں دنیا اور آخرت کی سعادت سے نوازے۔

یکم رمضان (یکم جون 1984ء) سے مسجد توحید میں تراویح کا بھی آغاز کر دیا گیا، معمول تھا کہ چار رکعات میں اور چار رکعات میرے صاحب زادہ اسامہ پڑھائیں۔ 30 جون کو فنسبری پارک میں نماز عید پڑھانے کا شرف بھی حاصل رہا۔

☆ 18 مئی: امام حرم شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل نے گلاسگو کی مسجد کا افتتاح کیا۔ شیخ نے مختلف مساجد کا دورہ بھی کیا اور مجھے ان کے خطابات کی ترجمانی کا شرف بھی حاصل رہا۔

☆ امسال جولائی اور پھر ستمبر میں غیر ملکی اسفار رہے۔ ریاض کے سفیر میں سعودیہ کے مشائخ سے ملاقات ایک قدرتی امر تھا اور پھر برادرم محمود احمد میرپوری کی معیت میں کویت کے دورے کا پروگرام رہا جس کے دوران ان مقتدر شخصیات سے ملاقات ہوئی:

شیخ عبد الرحمٰن عبد الخالق، شیخ عبد اللہ السبت، ڈاکٹر عبد الرحمٰن سمیط، شیخ عارف محمدی، شیخ صلاح الدین مقبول، شیخ بدر عبد اللہ، برادرم یوسف قطامی اور شیخ طارق عیسیٰ۔

پاکستان کے سفر میں ڈاکٹر حسن الشافعی صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ڈاکٹر احمد یار، استاد پنجاب یونیورسٹی، لاہور اور پھر فیصل آباد کے ڈسٹرکٹ ہال کی تقریب میں مولانا عبد الرحیم اشرف اور سید محمد منور کے ساتھ شرکت کی۔

☆ لندن میں جو لوگ بطور مہمان تشریف لائے اور جن سے بھرپور ملاقات رہی ان میں یہ شخصیات شامل تھیں:

- ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف (سیکرٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ)
- ڈاکٹر محمد احمد صالح (استاد جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض
- ڈاکٹر اسرار احمد اور ان کے برادر ڈاکٹر ابصار احمد
- شیخ عبد السلام رحمانی (ہندوستان)

☆ 28 ستمبر: لندن کی مرکزی جیل وارم وڈ میں ہفتہ وار حاضری برقرار رہی۔

عراقی جوان معبد الجمیلی سے دوبارہ ملاقات ہوئی، کیونکہ اسے یہاں سے ویکفیلڈ جیل منتقل کر دیا گیا تھا۔ یہ نوجوان عراق سے آتش خیز مواد لے کر آیا تھا لیکن 'اڑنے نہ پائے تھے کہ شکار ہم ہوئے' کا مصداق بن گیا۔ اسے جمعہ کے اجتماع میں آنے کی اجازت نہ تھی، اس لیے اس کی کوٹھری میں جا کر ملاقات کی۔

دورانِ پرواز ایک مریض کا واقعہ

یہ 6/نومبر 1984ء کی بات ہے، میں جدہ سے لندن جانے کے لیے سعودیہ کی فلائٹ میں سوار ہوا۔ سعودیہ کا یہ معمول تھا کہ نصف شب کے قریب لندن کے لیے محو پرواز ہوتی اور صبح 6 بجے کے قریب لندن کے ہوائی اڈہ پر اتر جاتی۔

میں جہاز کے اکانومی سیکشن میں دوسری یا تیسری قطار کی ایک سیٹ پر براجمان تھا۔ دیکھا کہ ایک عرب عمر رسیدہ شخص کو اسٹریچر پر لایا گیا ہے، پہلی قطار کی تین سیٹوں کو ملا کر ایک بستر کی شکل دی گئی جہاں اسے لٹا دیا گیا۔ ساتھ ہی ایک اسٹینڈ لایا گیا تھا کہ جس کے ساتھ ایک نلکی متصل تھی اور وہ ایک انجکشن کی شکل میں اس کے بازو کو گلوکوز یا کوئی دوسری دوا منتقل کر رہی تھی، گویا اس شخص کے لیے جدہ کے کسی ہسپتال میں مزید علاج کا یارانہ باقی نہ رہا تھا اور صرف لندن ہی میں اس کا علاج ممکن تھا۔ میں جہاز کے عملہ کو دیکھ رہا تھا کہ وہ مریض کے سفر کو آرام دہ بنانے کے لیے کچھ جتن کر رہے تھے۔

میں خود دن بھر کی مصروفیات اور پھر آدھی رات گذر جانے کی بنا پر اتنا تھک چکا تھا کہ نیند سے آنکھیں جھپک رہا تھا۔ بارے جہاز کے دوازے بند ہوئے اور جہاز نے پرواز کے لیے پَر تولے اور پھر جہاز کے فضا میں پہنچنے کے ساتھ ہی میں گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ اتنی گہری نیند کہ میری آنکھ اس وقت کھلی جب جہاز کے لینڈ ہونے کی گڑگڑاہٹ مجھے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر گئی۔

دیکھا کہ جہاز کے دروازے کھل چکے ہیں۔ مریض اپنے عارضی بستر پر ایک چادر کے نیچے چھپا ہوا ہے۔ اسٹینڈ ہٹایا جا چکا ہے اور باہر سے کچھ عملہ اسے اٹھا کر لے جانے کے لیے آ چکا ہے۔

یااللہ! یہ کیسی گہری نیند تھی کہ میری بند آنکھوں کے سامنے پورا ایک ڈرامہ برپا رہا اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اس مریض کی حالت بگڑتی گئی تھی۔ جو بھی ڈاکٹر یا جہاز کا عملہ موجود تھا اس نے مصنوعی تنفس دینے کی پوری کوشش کی لیکن مریض کا آخری وقت آ چکا تھا۔ اس کی موت سرزمین جدہ میں نہیں بلکہ فضا میں مقدر تھی، اس لیے وہ صرف چند آخری سانس لینے کے لیے اس پرواز میں سوار کرایا گیا اور فرشتے اس کی روح کو قبض کرنے کے لیے فضا میں اپنا فرض انجام دیتے رہے۔ پرواز کے دو گھنٹے کے بعد غالباً اس کی وفات ہوئی تو فلائٹ کا رخ واپس جدہ کی طرف موڑ دیا گیا اور اس وقت ہم دوبارہ جدہ ایئرپورٹ پر تھے جہاں میت کو اتارا جا رہا تھا۔

"النوم أخت الموت" "نیند موت کی بہن ہے۔" میں گہری نیند کے عالم میں کچھ نہ سن سکا۔ اتنا یاد ہے کہ ایک موقع پر چند لمحوں کیلئے آنکھ کھلی تو کچھ لوگوں کو اس پر جھکے ہوئے مصنوعی تنفس دیتے دیکھا۔

یہ وہ امر غیب ہے جو سورہ لقمان کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾

"اور کوئی نفس یہ نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں وفات پائے گا۔"

اس حادثے کی بنا پر یہ فلائٹ چار گھنٹے کی تاخیر سے لندن پہنچی۔

☆زیارت اندلس کی چند خوشگوار یادیں

اب ہم سال 1985ء میں داخل ہو چکے ہیں۔

میرے لیے دار الافتاء (ریاض) کی طرف سے ایک خوشخبری تھی کہ میں اسپین کا ایک معلوماتی اور دعوتی دورہ کروں، چنانچہ ماہ اپریل میں اہل خانہ کے ساتھ اپنی گاڑی میں براہ فرانس اور جنوبی اسپین غرناطہ کا پروگرام طے پا گیا۔

لورپول سے ہمارے کرم فرما ڈاکٹر احمد زمان بھی اپنی فیملی کے ساتھ اپنی گاڑی میں شریک سفر رہے۔ 'لندن سے غرناطہ' کے عنوان سے زیارت اندلس کی پوری حکایت ایک سفر نامے کی شکل میں ستمبر 1994ء میں مکتبہ قدوسیہ لاہور کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کا ایک باب یہاں نقل کر رہا ہوں۔

عروس البلاد: قرطبہ

آئندہ پروگرام یہ بنا کہ غرناطہ کو عارضی مستقر قرار دیتے ہوئے قرطبہ 'اشبیلیہ اور اندلس کے جنوبی حصوں کے اہم مقامات کو دیکھ لیا جائے، چنانچہ 9 اپریل (1985ء) کو علی الصبح مدرسہ البیازین کے ایک جرمن نو مسلم "طالب" کی معیت میں ہمارا قافلہ قرطبہ کی طرف رواں دواں ہوا۔ قرطبہ تقریباً ایک سو آٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔ سارا راستہ سرسبز پہاڑیوں کے پیچ و خم اور اتھاہ وادیوں کے اتار چڑھاؤ کا ساتھ دیتا ہوا، اٹھلاتی بل کھاتی ندیوں کو پاٹتا ہوا، قرطبہ کے عظیم دریا الوادی الکبیر سے جا ملتا ہے۔ راستے میں کئی بستیاں آئیں اور ہر بستی کے نام سے پہلے "آل" کے سابقہ نے عرب تہذیب و تمدن کی یاد دلا دی۔ یہاں القلعہ Alkala اور القصبۃ Alkasba کا نام بہت عام ہے اور اب بھی جا بجا دکھائی دیتا ہے۔

ہمیں قرطبہ کے نئے شہر سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے الوادی الکبیر کے کنارے کھڑے ہو کر مسجد قرطبہ پر ایک پہلی نظر ڈالی، ہماری نگاہوں کے سامنے عالم اسلام کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ دور سے اس کی وسعت اور عظمت کا اندازہ نہیں ہوتا ہے لیکن اہل نظر سے 1200 سال پرانی مسجد کی وسعتیں پوشیدہ نہیں۔ الوادی الکبیر پر ایک تنگ سا پل نئے Cordoba کو عرب قرطبہ سے جا ملاتا ہے۔ اس پل کے ساتھ ایک بہت ہی پرانے پل کے کھنڈرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ کیا عجب ہے کہ یہ اس پل کا حصہ رہے ہوں جو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے

کمانڈر سمح بن مالک خولانی نے اندلس کی فتح کے بعد تعمیر کیا تھا۔
قرطبہ کی اس عظیم الشان مسجد کو ہم نے کیسا پایا اس کا تذکرہ تو بعد میں ہو گا پہلے کچھ تفصیل اس مسجد کی تاریخ کے بارے میں ہو جائے۔

طارق بن زیاد نے اپنی فتوحات کے پہلے ہلے میں قرطبہ کو بھی فتح کر لیا تھا۔ لیکن اس کی اصل اہمیت عبدالرحمن الداخل کے عہد میں اجاگر ہوئی، جس نے اندلس میں بنوامیہ کی خلافت کا تسلسل باقی رکھا۔ 150ھ میں قرطبہ شہر کی فصیل کی بنیاد ڈالی گئی اور اس کے 20 سال بعد 170ھ (786ء) میں مسجد کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ جائے مسجد پر پہلے سینٹ ونسنٹ نام سے ایک کنیسہ آباد تھا جسے دراصل گاتھک عیسائیوں نے رومن عہد کے معبد جانوس (Janus) کو تبدیل کر کے بنایا تھا۔

یہ شبہ نہ ہو کہ مسلمانوں نے اس کنیسہ پر بزور بازو قبضہ کر لیا ہو گا۔ نہیں! عبدالرحمن الداخل نے اس کی بھاری قیمت ادا کی اور مسجد کی تعمیر پر اس زمانے کے 80 ہزار دینار خرچ کئے۔ جامع مسجد کی توسیع کے بعد کے خلفاء کے دور میں برابر ہوتی رہی۔ عبدالرحمن کے بیٹے ہشام نے باپ سے دگنی رقم مسجد کی توسیع پر خرچ کی بلکہ مسجد کی مشرقی فصیل پر پتھر کی وہ سلیں لگائی گئیں جو سینکڑوں میل دور اربونیہ کے قلعے کی دیواروں سے حاصل کی گئی تھیں۔ اربونیہ کی بغاوت فرد کرنے کے بعد ہشام نے باغیوں کو بطور سزا قلعہ کی فصیل کا ایک ایک پتھر قرطبہ پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ عبدالرحمن الناصر، الحکم اور ہشام ثانی اور وزیر محمد بن ابی عامر کے زمانے تک مسجد کی توسیع جاری رہی۔ گویا یہ مسجد 223 سال کے عرصے میں اپنی موجودہ حالت میں پہنچی، تکمیل کے بعد اس کی لمبائی 180 میٹر اور چوڑائی 130 میٹر کے لگ بھگ تھی۔ مسجد کے مسقف حصہ کو سنگ مرمر کے 417 ستون اٹھائے ہوئے تھے۔ اندر آنے جانے کے لئے 21 دروازے استعمال ہوتے تھے۔ مسجد کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے اندرونی حصہ میں روشنی کے لئے 10 ہزار جھاڑ و فانوس روشن کئے جاتے تھے۔ مسجد کے بیرونی احاطے میں سرو کے 9، کھجور کے 3، زیتون کا ایک اور مالٹے کے 117 درخت لگائے گئے تھے اور درمیان میں وضو کے لئے فوارے نصب تھے۔ مینار کی بلندی 108 فٹ کے قریب تھی عالم اسلام کی یہ سب سے بڑی مسجد تھی۔

خود قرطبہ شہر کی جس کی موجودہ آبادی سوا2 لاکھ کے قریب ہے، اموی دور میں 10 لاکھ نفوس کا شہر تھا اور یورپ کا سب سے حسین اور بڑا شہر شمار ہوتا تھا۔ اس شہر کے دامن میں 3 ہزار مسجدیں اور 9 سو حمام بتائے گئے ہیں، شہر کا اپنا طول 26 میل اور عرض 6 میل تھا۔

اموی حکمرانوں میں سے عبدالرحمن ناصر نے 4316 ستونوں اور برجوں پر مشتمل قصر زہراء کی تعمیر کر کے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیئے تھے، اور بعد میں محمد بن ابی عامر منصور نے زاہرہ کے نام سے ایک دوسری شاہانہ بستی کی داغ بیل ڈالی۔ افسوس ہے کہ مؤخر الذکر تو خود مسلمانوں ہی کے ہاتھ سے اور اول الذکر امتداد زمانہ سے کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہے۔

مسلمانوں کے سوا 500 سال کی حکمرانی کے بعد 133ھ / 1236ء میں جب قرطبہ کا سقوط ہوا تو سوائے جامع مسجد کے مسلمانوں کے باقی آثار عیسائیوں کے تعصب کی نذر ہو گئے۔ 1521ء میں متعصب پادریوں نے کالوس پنجم سے مسجد کے اندر ایک کنیسہ کی تعمیر کی اجازت حاصل کر لی اور اس مقصد کے لئے مسجد کے وسطی حصہ کو کنیسہ کے قالب میں ڈھالنے کے لئے بالکل بدل دیا گیا، پانچ سال بعد جب بادشاہ اس کنیسہ کی زیارت کے لئے آیا تو متاسفانہ لہجے میں یہ الفاظ کہے بغیر نہ رہ سکا:
”افسوس ہے جو چیز تم نے یہاں بنائی ہے وہ دوسری جگہ بھی بن سکتی تھی مگر جس چیز کو تم نے بگاڑا ہے اس کی مثل کبھی تعمیر نہ ہو سکے گی۔“

ہمیں جلد از جلد مسجد میں داخل ہونے کی فکر دامن گیر تھی، الوادی الکبیر کا پل پار کرتے ہی 1200 سالہ پرانی مسجد چاروں طرف پھیلی ہوئی آبادی کے وسط میں عظمت کا مینار دکھائی دیتی ہے، جذب و شوق کے عالم میں بیرون احاطہ کا صدر دروازہ پار کیا۔ مالٹوں کے باغ کی جگہ ایک سبزہ زار پایا جہاں سیاحوں کی ٹولیاں مسجد کا اندرونی دروازہ کھلنے کے انتظار میں محو انتظار تھیں۔ معلوم ہوا کہ ایک سے چار بجے تک وقفہ رہتا ہے جس کے بعد بذریعہ ٹکٹ داخلہ ہو گا۔ احاطے کے اندرونی برآمدے کہنگی اور خستہ حالی کی تصویر تھے۔ پہلا دھچکا لگا جب ایک برآمدے میں سیاحوں کی فوج ظفر موج کو مینا و ساغر کے جام چھلکاتے دیکھا۔

موجودہ مسجد کو Misquita Cathedral یعنی ”مسجد کنیسہ“ کہا جاتا ہے۔ موجودہ مینار بھی عیسائی دور میں از سر نو تعمیر کیا گیا تھا۔ ہم نے جب اوپر جانا چاہا تو مینار کی حفاظت پر مامور خواتین نے خاص طور پر ہدایت کی کہ مینار کی چوٹی پر نصب گھنٹیوں کو نہ بجایا جائے۔ اوپر کے جھروکوں سے مسجد کی چھت، دریا اور شہر کی آبادی کا ایک خوبصورت منظر سامنے تھا۔

مسجد میں داخلے کا وقت ہو چلا تھا۔ تجدید وضو کے لئے ادھر ادھر نظر دوڑائی لیکن مسلم عہد کا واحد فوارہ خود پانی کو ترستا نظر آیا۔ ملحقہ گلیاں چھاننا شروع کیں۔ مسلمانوں نے اپنے دور میں اندلیس کے ہر شہر میں جا بہ جا حمام بنائے تھے جسم کی اس حد تک صفائی ان متعصب عیسائیوں کو کہاں بھا سکتی تھی، جن کی ایک

راہبہ نے اس بات پر فخر کیا تھا کہ میں نے 60 برس کی عمر تک جسم کے کسی عضو کو پانی نہیں لگایا۔ بجز انگلیوں کے سروں کے اور وہ بھی گرجا میں داخل ہوتے وقت۔ چنانچہ اندلس پر قبضہ ہوتے ہی سب سے پہلے حماموں کی بن آئی جو یکے بعد دیگرے زمین بوس کر دیئے گئے۔

سوچا کہ شاید کوئی پبلک ہاتھ یا استراحت گاہ کی شکل ہی نظر آجائے لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!!

ہمارے رفیق سفر ڈاکٹر زمان کی جدت طبع نے اس کا حل تلاش کر ہی لیا۔ مے خانہ سے ملحق بیت الخلاء تو ہوتا ہی ہے۔ اب ساقی کو کیا معلوم کہ ہر اندر آنے والا کس مقصد کے لئے آرہا ہے۔ چنانچہ سیاحوں کے جلو میں ہمیں اپنے مقصد تک رسائی ہو گئی اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کیا۔

مسجد کے 14 دروازوں میں سے صرف ایک دروازہ پبلک کے لئے کھولا گیا ہے۔ 150 پستیا (75) پنس کے قریب فی ٹکٹ کی ادائیگی کے بعد مسجد میں قدم رکھا۔ اس خیال سے بھی کوفت ہوئی کہ ہر ایک شخص جوتوں سمیت دندناتا پھر رہا ہے شام ہو چکی تھی اس لئے سورج کی خفیف سی روشنی روشن دانوں سے چھلکتی ہوئی اندرونی ماحول کو اجاگر کر رہی تھی۔

1400 ستونوں میں سے باقی 850 ستونوں اور ان کے درمیان محراب نما راہداریوں پر مشتمل وسیع و عریض ہال ہمارے سامنے تھا، لیکن درمیان میں تعمیر شدہ گرجا اور جابجا نصب مجسموں نے محراب کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا تھا۔ مسجد کی دیوار کے ساتھ مقدس راہبوں اور راہبات کے مجسمے نقشین الواح اور تبرکات نصب نظر آئے۔ آہنی جنگلوں سے ان ہستیوں کے تقدس کو عام آدمی کی پہنچ سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ ہمیں ان دل سوختہ مناظر سے کوئی دلچسپی نہ تھی بس ان ستونوں کو حسرت و یاس سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ موجودہ فرش عام اینٹوں کا ہے جب کہ مسجد کا اصل فرش بھی سنگ مرمر کا تھا جس کی آبرو کب کی لوٹ لی گئی۔

زمین پر جا بجا تحریری نقوش نظر آئے۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ نہ جانے عیسائی دور کی کتنی مقدس ہستیاں یہاں مدفون ہیں جن کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے ہر سیاح و زائر کو دعوت عام دی جارہی ہے۔

ایک ستون کے ساتھ ایک مقدس مجسمہ کے دامن میں چند موم بتیاں ٹمٹما رہی تھیں۔ میرے چہرے پر حزن و ملال کے تاثرات دیکھتے ہوئے ایک اسپینی گائیڈ نے بطور خود گفتگو کا آغاز کیا۔

اس نے کہا: ”جناب مجھے افسوس ہے کہ اس مسجد کا حسن سیاست کی نذر ہو کر رہ گیا۔“

میں نے مختصر جواب دیا: ”اس میں زیادہ دخل سیاست کا نہیں بلکہ مذہبی تعصب کا ہے۔ تمہیں یقیناً معلوم ہو گا کہ اس خوبصورت مسجد کو کنیسہ بنانے کے لئے عیسائی پادریوں کا کتنا عمل دخل ہے۔“

اب ہم محراب تک پہنچ چکے تھے، جس کی پیشانی پر اب بھی قرآنی آیات اور عربی نقوش جلوہ گر ہیں۔ انتظامیہ کی طرف سے محراب کے بالمقابل مختصر سی جگہ کو لوہے کے کٹہرے سے محفوظ کر لیا گیا ہے تاکہ سیاح زیادہ قریب نہ آسکیں۔

یہ خیال کہ سقوط قرطبہ کے بعد سے اب تک پچھلے 750 سال میں ہم ان گنے چنے افراد میں ہوں گے جنہیں یہاں خدائے ذوالجلال کے حضور سجدہ ریز ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے، ایک لازوال مسرت کا احساس دلا گیا۔ ہمیں غرناطہ کے دوستوں نے بتایا تھا کہ موجودہ انتظامیہ کی طرف سے یہاں نماز کی ادائیگی کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ صرف 2 سال قبل غرناطہ اور نواح کے دیگر مسلمانوں کے شدید اصرار پر بلدیہ نے نماز عید کی ادائیگی کی اجازت دی تھی۔ اس اجازت کا ملنا تھا کہ اسپین کے مختلف شہروں سے نو مسلم حضرات اور عربی و عجمی مسلمانوں کی کثیر تعداد بسوں اور خصوصی کوچز کے ذریعے قرطبہ پہنچ گئی اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا۔ نماز عید ادا کی گئی اور مسلمانوں میں خوشی و انبساط کی لہر دوڑ گئی لیکن اس کے ساتھ ساتھ مقامی انتظامیہ کے چہرے فق ہو گئے اور اگلے سال مسلمانوں کو یہ موقع فراہم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔

میرے لئے محراب کے بالمقابل کھڑے ہو کر باآواز بلند اذان دینے کے لمحات متاع زیست کا ایک انمول سرمایہ ہیں۔ برادرم زمان ابھی مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ میں نے بچوں کے ساتھ باجماعت نماز ادا کی سیاحوں کا جمگھٹا ہمارے گرد جمع ہو گیا جن کے کیمرے ان لمحات کو محفوظ کرنے کے لئے حرکت میں آچکے تھے۔ تھوڑی دیر میں زمان صاحب بھی پہنچ گئے اور انہوں نے بھی بچوں کے ساتھ محراب کے بالمقابل سجدہ ریز ہونے کی سعادت حاصل کی۔ وقت کی تنگی اور مسجد کی وسعت تفصیلی مشاہدے میں حارج تھیں۔ مسجد کے اگلے حصہ میں بالکونی کے انداز پر مسقف حصہ نظر آیا جو غالباً موذن کے بیٹھنے اور اذان دینے کے لئے استعمال ہوتا ہو گا جیسا کہ عموماً اموی انداز کی مساجد میں پایا جاتا ہے۔ اس بالکونی کے عقب میں مسجد کے وسطی حصہ میں وہ کلیسائی اضافہ ہے جو اس بے نظیر مسجد کے دامن پر ایک داغ کی حیثیت رکھتا ہے اس سارے حصے کو فرش سے چھت تک مجسموں، نقوش اور پینٹنگ سے آلودہ کیا گیا ہے، عام کنیساؤں کے انداز پر زائرین یا سروس کے شرکاء کے لئے بنچ ایستادہ ہیں۔

ایک مراکشی محقق کے مطابق مسجد کی اندرونی دیواروں کے ساتھ عیسائیوں نے 56 اور وسط میں 18 قربان گاہیں (یا عبادت گاہیں) بنائی ہیں۔

ہم رات کے سفر سے بچنے کے لئے جلد سے جلد رخصت ہو جانا چاہتے تھے اس لئے مسجد پر ایک آخری نظر ڈالتے ہوئے باہر کی راہ لی۔ مسجد کی بیرونی دیوار پر بھی جا بجا سنگ مرمر کے محرابی ستون نظر آئے جن میں سے اکثر کو پاٹ دیا گیا ہے۔ مغربی احاطے کے بالمقابل عجائب گھر میں قرطبہ کے نوادرات رکھے گئے ہیں۔ میوزیم کا صدر دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اس لئے دروازے کی جالیوں میں سے جھانکتے

ہوئے ہم نے واپسی کا رخ اختیار کیا۔
الوادی الکبیر کے پل کے قریب ایک سبزہ زار پر کھانا تناول کرتے ہوئے اس عظیم الشان شہر سے منسوب ہستیاں پردہ سیمیں کی تصاویر کی طرح آئینہ دماغ پر منعکس ہوتی نظر آئیں۔
اس شہر سے تعلق ہے قاضی منذر بن سعید کا جن کے پاس ایک بڑھیا خلیفۂ وقت کی شکایت لے کر آئی جو اس کی زمین کو زبردستی اپنے قبضہ میں لینا چاہتا تھا۔ قاضی صاحب خلیفہ کو اس زمین تک لے آئے۔ کدال سے زمین کھودی ایک بورا بھر کر خلیفہ سے کہا کہ: ذرا پیٹھ پر لاد کر دکھاؤ۔ خلیفہ حیران وششدر اس منظر کو دیکھ رہا تھا، قاضی صاحب کے کہنے پر بورا اٹھایا لیکن پیٹھ پر نہ رکھ سکا۔
اب قاضی صاحب نے کہا کہ جس زمین کے معمولی حصہ کو تم آج نہ اٹھا سکے، وہ ساری زمین اگر حق تلفی کی بنا پر قیامت کے دن تمہاری گردن کا طوق بنادی گئی تو اسے کیسے اٹھاؤ گے؟ خلیفہ زار و قطار روپڑا اور اپنے مذموم ارادے سے تائب ہو گیا۔
قاضیوں میں اسد بن فرات، محمد بن بشیر، مفسرین میں ابو حیان، محدثین وفقہاء میں بقی بن مخلد ابن حزم ابن سید الناس فلاسفہ ادباء اور اطباء میں ابن رشد، موسیٰ بن میمون، ابو القاسم زاہراوی، ابو جعفر الغافقی اور مؤرخین میں ابن بشکوال اور ابن القوطیہ۔ غرض کس کس کا نام گنوایا جائے۔ عباس بن فرناس کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا، جس نے رائٹ برادران سے صدیوں قبل پر لگا کر اڑنے کی کوشش کی تھی۔ قرطبہ مرکز خلافت ہونے کی بنا پر اہل علم کا مرجع رہا اور اس سرزمین نے لاتعداد نابغہ روزگار پیدا کئے۔
ہمیں بتایا گیا کہ شہر میں ایک چھوٹی سی مسجد اور بھی پائی جاتی ہے جسے فرانکو نے اپنے دور اقتدار میں مراکشی فوجیوں کے لئے بنایا تھا اور جو عرصہ سے بند پڑی ہے اور جسے واگذار کرنے کے لئے بعض اسلامی حکومتوں کی طرف سے سعی کی جارہی ہے۔
قرطبہ شہر سے کچھ فاصلے پر ایک اور مسجد کی طرف جانے کے لئے تیر کا علامتی نشان نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ یہ جگہ مرزا غلام احمد قادیانی کے نام لیواؤں نے کھڑی کی ہے۔ گویا قادیانی پروپیگنڈے کی زنبیل اس دور افتادہ علاقے میں کھل چکی ہے لیکن امید ہے کہ جمعیت اسلامیہ اسلامی مرکز اور نو مسلم تنظیم کے تعاون سے محمد عربی ﷺ کے نام لیوا اسلام کی صحیح تصویر پیش کر سکیں گے۔

☆☆☆

خواتین کی قربانیاں

آج کی خواتین کے لیے بہترین نمونہ

ویسے تو خواتین زیورات میں پلنے بڑھنے والیاں ہوتی ہیں جو جھگڑے کے وقت ڈھنگ سے اپنی بات بھی نہیں رکھ سکتیں:﴿أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ﴾ (سورة الزخرف:18)
لیکن شروع سے ہی مردوں کے شانہ بشانہ بہادری وسخاوت کے کارنامے انجام دیئے ہیں، جیسے :
اسلام میں سب سے پہلے جس نے 'جان' کی قربانی پیش کی وہ ایک عورت ہے جسے دنیا سیدہ سمیہ رضی اللہ عنہا کے نام سے جانتی ہے۔ (الإصابة:114/8)
سیدنا محمد ﷺ کی سب سے پہلے جس نے مدد کی وہ ایک عورت ہے جسے دنیا سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے نام سے جانتی ہے۔
اسلام کی بلندی کے لئے سب سے پہلے جس نے اپنا 'مال' نچھاور کیا وہ مکہ مکرمہ کی ایک بڑی تاجر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔
سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا وہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔
'غارِ حرا' کی پہلی وحی سے گھبرائے نبی (ﷺ) کو سب سے پہلے تسلی دینے والی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔
ساتویں آسمان سے بذریعہ جبریل خالق کائنات جس پر سلام بھیجتا ہے وہ عورت ہے جسے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جانا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری:3820)
'صلح حدیبیہ' کے موقع پر نبی ﷺ کو کامیاب مشورہ دینے والی ایک عورت ہے جسے دنیا سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نام سے جانتی ہے۔ (صحیح بخاری:2731-2732)
10 سال نبی ﷺ کی خدمت کے لئے جس نے اپنا بچہ (انس) پیش کیا وہ ایک عورت ہے جسے دنیا سیدہ ام سُلیم رضی اللہ عنہا کے نام سے جانتی ہے۔ (صحیح بخاری: 6038)
غزوۂ حنین کے موقع پر جس کا خنجر اور بہادری دیکھ کر نبی کریم ﷺ مسکرانے لگے وہ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ (صحیح مسلم:1809)
آسمان سے جس کے پاک دامنی پر آیات نازل کی جاتی ہیں وہ عورت ہے جسے دنیا ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جانتی ہے۔ (صحیح بخاری:4141)
ساتویں آسمان کے اوپر سے اللہ تعالیٰ نے جس کی شادی کرائی وہ ایک عورت ہے جسے دنیا سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نام سے جانتی ہے۔ (صحیح بخاری: 7420)
جسکی شکایت (شوہر کے تعلق سے) ساتویں آسمان پر سنی گئی وہ ایک عورت ہے جسے دنیا سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے نام سے جانتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ:2063)
خواتین کی قربانیاں ہنوز جاری ہیں اور باذن اللہ جاری رہیں گی جنہیں دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔
لہٰذا بھائیو! خواتین کے تعلق سے اگر آپ (سوچ وفکر میں) کسی کج روی کے شکار ہیں تو اس کا علاج کیجئے۔
عصر حاضر میں ہماری بعض بہنیں جو غلط راستے پر چل پڑی ہیں، کفر وشرک کے مہلک دلدل میں اپنا گھر بسانا چاہتی ہیں تو وہ ہوش کے ناخن لیں، اپنے اسلام وایمان کا کسی بھی صورت میں ہرگز سودا نہ کریں؛ کیونکہ حسن وجوانی (خاص کر تمہاری) ڈھلتے بالکل دیر نہیں لگتی۔
بصورتِ دیگر آخرت سے پہلے اسی مختصر سی دنیاوی زندگی میں پچھتاؤ گی۔
اسلامی بہنو! سدا یاد رہے، جو اللہ اور اس کے رسول کا نہ ہوا وہ تمہارا کبھی نہیں ہو سکتا۔
اللہ تعالیٰ وقت رہتے ہماری بہنوں کو صحیح سمجھ عطا کرے، اور انہیں اسلاف کی خواتین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔



الشیخ امجد الہاشمی سے ملاقات

اگلی صبح سوموار، 17جولائی، 2017ء (23شوال، 1438ھ) کو ہم نماز تہجد کے لیے حسب معمول مسجد اقصیٰ چلے گئے۔ اشراق پڑھ کر واپسی پر طریق الآلام میں ایک بہت خوبصورت اور جدید سہولیات سے آراستہ ہوٹل میں آگئے۔ اس ہوٹل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ کے بالکل متصل ہے۔ سچ پوچھیں تو اتنا زبردست ہوٹل اور وہ بھی طریق الآلام (پُردرد گزرگاہ) پر جس راستے سے بقول عیسائی روایت کے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو سزائے موت دینے کے لیے چلایا گیا تھا اور بھاری بھرکم صلیب ان کی پیٹھ پر لادی گئی تھی جس کا وزن وہ برداشت نہیں کرسکتے تھے اور چند ہزار میٹر کے راستے میں کم از کم 16 دفعہ آپ زمین پر گر گئے تھے اسے طریق الآلام way of sarow کہا جاتا ہے۔ اسی راستے سے مسلمان مسجد عمر جاتے ہیں اور مسجد اقصی بھی، اسی راستے سے عیسائی کنیسۃ القیامہ جاتے آتے ہیں اور اسی راستے سے یہودی دیوار گریہ یا دیوار براق آتے جاتے ہیں گویا یہ بڑی مصروف مگر تنگ سی گلی ہے۔ یہاں سے گزرتے ہوئے یہ تکلیف دہ تاریخ ذہن میں کلبلانے لگ جاتی ہے۔ الشیخ امجد کا ہوٹل الہاشمی بھی اسی ایریے میں ہے۔ الشیخ امجد نے معروف بزرگ بشر الحافی کا یہ قول سنایا کہ "مابقی عندی لذات الدنیا الا ان استلقی علی جنبی تحت السماء بجامع بیت المقدس" کہ زندگی کی بس ایک ہی آرزو رہ گئی ہے کہ میں مسجد اقصی کے پڑوس کی زمین پر لیٹ کر کھلے آسمان کا نظارہ کرسکوں۔ الشیخ امجد نے مسجد اقصی کی جو تصویر اپنے وال پیپر پر لگا رکھی ہے اس میں مسجد اقصی پر رات طاری ہے یعنی مسلمانوں کے قبلہ اول پر تاریکی چھائی ہوئی ہے جو لگتی تو مسجد اقصیٰ کی عمارت پر ہے لیکن دراصل یہ مسلمانوں کی قسمت پر ہے۔

ناشتہ کے وقت الشیخ امجد کے ہوٹل میں کافی رش تھا، ہندوستان اور جنوبی افریقہ سے آئے ہوئے کافی لوگ موجود تھے۔ اگرچہ کوئی بہت بڑا ہوٹل نہیں ہے لیکن اس تاریخی علاقے میں اتنی مہنگی جگہ جس کی قیمت کئی ملین کے حساب سے ہے اتنا خوبصورت ہوٹل بنانا اور پھر اسے چلانا کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ چونکہ یہ مسجد اقصی کے بالکل پڑوس اور پر درد راستے (طریق الآلام)میں واقع ہے اس لیے جب بھی مسجد اقصیٰ میں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے، القدس الشریف کے یہ پڑوسی اس آزمائش کا سب سے پہلے نشانہ بنتے ہیں، شہر کے تمام دروازے بند ہوجاتے اور یہاں کے باسی محصور ہوجاتے ہیں، گزشتہ تین دن سے اسرائیلی فورسز کی وحشیانہ فائرنگ سے جو تین فلسطینی نوجوان شہید ہوچکے تھے، اس افسوسناک سانحے کا براہ راست اثر اس علاقے پر بھی پڑا تھا، اگرچہ آج کچھ حالات ٹھیک تھے۔ لیکن قابضین کی ظالمانہ کارروائیوں سے خوف وہراس کی کیفیت موجود تھی، ہوٹل الہاشمی کا نیچے والا پورشن بہت قدیمی سٹائل سے مرصع کیا گیا ہے، پرانی کرسیاں، آبشاروں اور پرانی غاروں کا خوابناک ماحول بنایا گیا ہے، تاکہ مہمان کسی اور دنیا میں اپنے آپ کو محسوس کریں۔ اوپر والی منزل تک جانے کے لیے لفٹ بھی موجود ہے۔ چھت والا حصہ تو بہت ہی خوبصورت ہے بے شمار درخت اور ننھے ننھے پودے بہار پیدا کررہے ہیں، ان پودوں کے درمیان آدمی خود کو بہت ریلیکس محسوس کرتا ہے، چھت پر کھڑے ہوجائیں تو دنیا کا ایک گنجان آباد، قدیمی اور تاریخی شہر کی حیثیت سے پورا یروشلم آپ کو نظر آتا ہے۔

اس ہوٹل کا نام الہاشمی ہوٹل ہے جسے الشیخ ابو عثمان سلہب المعروف شیخ امجد اپنے بھائی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ انہوں نے ہم سے گزشتہ رات صبح کے لیے وعدہ لیا تھا آٹھ بجے ہم وہاں پہنچ گئے۔ شیخ موصوف نے ہمارا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ وہ یروشلم کے مکینوں میں سے ہیں۔ فلسطینیوں کی طرح خوبصورت چوڑے چکلے، فراخ سینہ اور کشادہ دل و دماغ کے مالک ہیں، دینی تعلیم انہوں نے سعودیہ یونیورسٹیوں سے حاصل کی۔ اور دونوں بھائیوں نے امریکی یونیورسٹی سے ہوٹل مینجمنٹ کی ڈگری بھی لی ہوئی ہے۔ ان کی مادری زبان عربی ہے جبکہ تعلیمی اداروں میں انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔ اور ہماری طرح انہیں بھی محدث زمان فضیلۃ الشیخ علامہ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ سے ایک واسطہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ علم و عمل کا نور ان کے چہرے مہرے سے ٹپک رہا ہے۔ شیخ امجد کوشش کرتے ہیں کہ پانچوں نمازیں باجماعت مسجد اقصیٰ میں ادا کریں۔ مسجد اقصی پر یہودیوں کے تسلط کی وجہ سے جب بھی کوئی بدمزگی پیدا ہوتی ہے۔ تو اس کے فوری اثرات اس گلی کے مکینوں پر پڑتے ہیں۔، مسجد بند ہوجائے یا کوئی امام مسجد اقصیٰ پہنچے نہ پہنچے شیخ امجد وہاں ضرور پہنچتے ہیں۔ دو دن کے تعطل کے بعد مسجد اقصی کے

چبوترے پر کھڑے ہو کر اذان دینے والے یہی مرد مجاہد تھے۔ تلاوت قرآن کریم بڑی خوبصورت کرتے ہیں ، فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں فلسطینیوں کے مظلوموں کی مدد کرنے کے لیے انہوں نے ایک فاؤنڈیشن بنا رکھی ہے۔ کئی قسم کی تصنیفات چھپواتے رہتے ہیں۔ ان کے ہوٹل کاؤنٹر پر حساب و کتاب کے رجسٹر نہیں فضیلۃ الشیخ امام ابن باز، محدث العصر علامہ البانی ،الشیخ ابن عثیمین اور دیگر علماء وقت کی تصانیف ترتیب سے رکھی ہوتی ہیں جو آنے جانے والوں کو ہدیہ کے طور پر دی جاتی ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے مسجد اقصیٰ کی تاریخ ایک A3 پیپر پر مختلف رنگوں میں طبع کروائی ہے۔ اپنے ہوٹل میں بھی طبعی رنگ انہوں نے بھر رکھے ہیں اسی دوران امام مسجد اقصیٰ الشیخ علی العباسی بھی تشریف لے آئے۔ بھارت سے تعلق رکھنے والے برطانوی زائرین کی بڑی تعداد ناشتے میں موجود تھی۔ ہر قسم کی چیزیں بوفے میں حاضر تھیں، ہم نے کھانے سے زیادہ وہاں کے متاثر کن ماحول سے لطف اٹھایا۔ اسی طرح مسجد اقصیٰ اوقاف کے سینئر رکن الشیخ عثمان ابو العالی سے تعارف اور ملاقات ہو گئی۔ ان کی اسی بازار میں تاریخی اشیاء کی دوکان ہے۔ جہاں سے بعد میں ہم نے کچھ نوادرات کی شاپنگ کی۔ موبائل کی بیٹری کا مسئلہ ہر جگہ رہتا ہے ان کی دوکان جو باب حطہ کے بالکل قریب تھی وہاں پہنچتے ہی فون چارج پہ لگا دیا۔ کافی دیر وہاں رکنا تھا جب واپس جانے لگے تو فون چارجر میں ہی لگا رہا لیکن جلد ہی احساس ہو گیا اور مجھے واپس آنا۔ موبائل کا مطلب ہی ہوتا ہے وائرلیس لیکن جب اس طرح کا وقوعہ ہو جاتا ہے تو آدمی سوچتا ہے کہ اس کے ساتھ وائر ہونی چاہیے اس طرح انسان کی فطری کمزوری یعنی جلد بازی سامنے آجاتی ہے کہ وہ کسی ایک کیفیت پر راضی نہیں رہ سکتا۔ اور ہر آن بدلنا چاہتا ہے ۔ اس بہانے خوب سے خوب تر کی تلاش کا سفر سدا جاری رہتا ہے۔ ناشتہ کے بعد ہمیں لفٹ کے ذریعے ہوٹل کی چوتھی منزل یعنی چھت پر لیجایا گیا۔ جہاں سے پورے یروشلم کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ الشیخ امجد نے اس گنجان آباد شہر کے سارے محلوں کا تعارف کروایا۔

عیسائیوں کا خط و کتابت سکول

القدس (یروشلم) میں عیسائیوں کے محلہ کے مرکزی گیٹ پر بنی بلڈنگ کا انداز تعمیر دیکھ کر ابتدائی عمر میں عیسائیوں کے خط و کتابت سکول کورس میں ولادت عیسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں بعض عمارات کا نقشہ یاد آگیا۔ بچپن کی بعض باتیں ذہن پر نقش ایسی ہو جاتی ہیں کہ زندگی بھر یاد رہتی ہیں ۔ ہمارے شہر فیصل آباد کے مرکزی ایریا سرکلر روڈ پر مسیحی اداروں کا تسلط ہے ، یہیں ان کا بڑا چرچ، کانونٹ سکول، یونائیٹڈ کرسچین ہسپتال اور دیگر تبلیغی ادارے کام کر رہے ہیں۔ ایک اسلامی ملک کے مسلمانوں کو عیسائیت کی تبلیغ ایسے درانہ طریقے سے کی جارہی ہے کہ ہر درد مند دل اس پر کڑھتا ہے ۔ کیونکہ کسی اسلامی مملکت میں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کسی سرگرمی کی اجازت نہیں ہے۔ اسے فتنہ ارتداد کہا جاتا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی بے علمی اور جہالت کے باعث ارتداد کا فتنہ کافی رسوخ حاصل کر چکا ہے، توریت ، انجیل مقدس اور صحائف انبیاء کے نام سے بائیبل کی تبلیغ پر کروڑوں روپیہ خرچ کر کے اہل اسلام کو اسلام سے برگشتہ کرنے کا کام بڑی مستعدی اور غیر محسوس طریقے سے جاری ہے۔ اب جدید ذرائع اختیار کیے جارہے ہیں۔ جس دور کی میں بات کر رہا ہوں اس زمانے میں ابلاغ کا ذریعہ صرف اخبارات ہوا کرتے تھے ،ان میں اشتہارات چھپا کرتے تھے کہ انبیاء کے صحائف کا مطالعہ کیجئے اور ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر گھر بیٹھے مفت حاصل کیجئے۔ ایک ایسا ہی اشتہار دیکھ کر میں نے بھی ایک خط لکھ دیا تھا کارسپانڈس سکول کو اور پھر خط و کتابت جاری ہو گئی ،بذریعہ پوسٹ بکس نمبر 17۔ پوسٹ مین نے باقی خطوط تو ہاتھ میں دیے اور یہ لفافہ اس نے غصے کے ساتھ پھینک دیا کیونکہ ان کو تو پتہ ہوتا ہے کہ ان میں کیا ہوتا ہے۔ اس میں پوچھے گئے سوالات پڑھتا اور ان کا جواب ڈھونڈ کر لکھ کر بھیجتا اور سو فیصد نمبر حاصل کرتا تھا اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میں نے سارے کورس مکمل کر لیے اور اناجیل کا مطالعہ بھی اوائل عمری میں ہی کر لیا۔ ایک دن میں ان کے آفس کا پتہ پوچھنے کی مہم پر نکلا۔ فیصل آباد شہر عبداللہ پور سے متصل ہی ہے۔ ایڈریس خفیہ تھا اور خط و کتابت کیلئے صرف پوسٹ بکس کا نمبر تھا۔ میں نے جنرل پوسٹ آفس سے اس سکول کا ایڈریس پوچھا پہلے تو وہ صاحب بڑے غصے میں آئے پھر میں نے مقصد بتایا تو انہوں نے اشارتاً بتادیا لیکن وہاں کوئی ایسی نشانی موجود نہ تھی میں نے ایک مسیحی دوکاندار سے پوچھا تو اس نے بتادیا۔ جہاں آج کل ستیانہ روڈ والا پل ہے اس زمانے میں۔ یہاں اس خط و کتابت سکول کا دفتر تھا۔ اس اجاڑ کوٹھی میں ڈرتا ڈرتا داخل ہوا وہاں موجود دفتر کی سیڑھیاں چڑھ گیا۔ ان لوگوں کو بڑا تعجب ہو کہ یہ اجنبی یہاں کیوں اور کیسے پہنچ گیا ہے ؟ میں نے بتایا کہ میں آپ کے سکول کا سٹوڈنٹ ہوں اور میرا نام یہ ہے انہوں نے چیک کر کے مزید تعارف پوچھا وہ مجھے اپنے جنرل مینجر کے پاس لے گئے۔ وہ یہ سن کر بڑے حیران ہوئے کہ مجھے پورا قرآن مجید حفظ ہے، انہیں پہلے تو یقین نہ آیا کہ اتنی بڑی کتاب کسی بچے کے سینے میں کیسے محفوظ ہو سکتی ہے؟ تو انہوں نے وہاں سے قرآن مجید اٹھایا اور میرے سامنے کھول کر رکھ دیا کیونکہ وہ خود تو ایک

لفظ بھی نہیں پڑھ سکتے تھے۔ مجھے بولے کہ یہاں سے پڑھو میں نے مصحف شریف بند کر کے وہاں سے سنا دیا۔ یوں پہلی ملاقات خوشگوار رہی۔ اس کے بعد بھی کئی دفعہ وہاں جانا ہو، ہمارے درمیان کافی بے تکلفی ہوگئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کو عیسائیت کا بھی کوئی علم نہ تھا۔ وہ دلائل تو نہیں رکھتے تھے لیکن میری باتوں سے لطف اندوز ضرور ہوتے۔

عیسائیوں کی سرگرمیاں ایک منظم و مربوط طریقے سے جاری ہیں ان کی مشنری پوری دنیا میں کام کر رہی ہے، پورا یورپ امریکہ کینڈا وغیرہ اور دنیا کے بڑے بڑے بینک، کاروباری اور رفاہی ادارے ان کی پشت پناہی کر رہے ہیں جبکہ اسلام کی تبلیغ کا کوئی منظم کام نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی پشت پر کوئی ملک یا کاروباری ادارے ہیں، بلکہ اسلام کے مخالف اور دشمن فرقے قادیانیت وغیرہ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ﴿ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴾۔ مسیحیوں کی منظم تبلیغی سرگرمیوں کے جواب میں لاہور سے اکیلے ایک آدمی نے جن کا نام حافظ نذر احمد صاحب تھا انہوں نے خط و کتابت سکول کے نام سے بیڑہ اٹھایا، اس کی خبر اخبار میں شائع ہوئی تو میں نے حافظ صاحب کو بڑا حوصلہ افزا خط لکھا۔ جواب میں انہوں نے شکریہ ادا کیا (معلوم نہیں حافظ صاحب بقید حیات ہیں یا نہیں اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی خدمات کو قبول و منظور فرمائے) ان کو میں نے کچھ مسلمان لوگوں کے پتے نوٹ کر کے بھیجے جو عیسائیوں کے خط و کتابت سکول سے وابستہ تھے۔ اور یہ پتے میں نے صرف رجسٹر کی ورق گردانی کرنے کے دوران یاد کر لیے تھے۔ پوسٹ مین لوگوں کا رد عمل بھی جرا تمندانہ تھا وہ اس سکول کے خطوط ڈیلیور کرنے پر مجبور تھے ورنہ وہ سخت ناپسند کرتے تھے۔

لیکن ہمارے حکمران اس اسلامی غیرت سے خالی ہیں ورنہ عیسائی اور قادیانی تنظیمیں اتنے منظم انداز میں مسلمان ملک کے لوگوں کو مرتد نہیں کر سکتیں۔ ان اسباق کے سرورق پر جس بلڈنگ کی تصویر ہوتی تھیں وہ بڑی عجیب اور دلچسپ لگتی تھیں۔ آج میں الہاشمی ہوٹل کی چھت پر کھڑا جب عیسائی محلے کی ان بلڈنگوں کو دیکھ رہا تھا تو یادوں کے دریچے وا ہو چکے تھے میں ان عمارات کی تصاویر میں اپنے ماضی کی یادوں میں کھویا ہوا تھا ، شیخ امجد کافی دیر تک میرا انہماک دیکھتے رہے، پھر انہوں نے مجھ سے اس دلچسپی کی وجہ پوچھی تو میں نے بتایا کہ مجھے کس چیز نے مشغول کر رکھا تھا وہ بھی بڑے متعجب ہوئے کہ ایک اسلامی ملک میں غیر اسلامی تبلیغ کیونکر ممکن ہے؟۔

بہر حال ہم نے شہر یروشلم کے اس نظارے کی وڈیو بنائی۔ باتوں باتوں میں الشیخ امجد نے غزہ والے عالم کا ذکر کیا کہ انہوں نے جو نمبر دیا تھا وہ تو آپ کا نکلا۔ بہر حال بڑی خوشی ہوئی آج کی ملاقات سے۔ کافی دیر ہم الہاشمی ہوٹل کی ضیافت سے ظاہری و روحانی لطف اٹھاتے رہے اور پھر گیارہ بجے کے قریب ہم اپنے ہوٹل واپس پہنچ گئے۔ کل چونکہ واپسی ہے اس لیے کافی مصروف رہے۔ یروشلم کی گلیاں احتجاجی نعروں سے گونج رہی تھیں کیونکہ ازرائیلی فورسز نے مسجد اقصیٰ کے اکثر دروازے بند کیے ہوئے تھے۔ اور وہ دروازوں کے باہر ڈیٹیکٹر نصب کر رہے تھے جس کا انہیں کوئی حق نہ تھا۔ اس کے خلاف پورے القدس الشریف میں نوجوان اشتعال میں تھے۔ اہل ایمان نوجوانوں کے مسلسل احتجاج کا یہ نتیجہ نکلا کہ دو ہی دن بعد اسرائیلیوں کو نصب شدہ ڈی ٹیکٹر ٹرالیوں پر لاد کر بے آبرو ہو کر بھاگنا پڑا جسے دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ ابھی تک فلسطینی نوجوان کے سامنے اسرائیلی فورس دم نہیں مار سکتی حالانکہ ان کے پاس اسلحہ ہے اور وہ نہتے لیکن جذبہ ایمانی ان حدود سے ماوراء ہے۔

یہ مصیبت جو اہل قدس اور اہل فلسطین پر آئی ہوئی ہے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ پچھلی صدی کے ابتدائی سالوں میں حالات دگرگوں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ فلسطین کے علاقے پر اسرائیلی ریاست کے قیام کا فیصلہ بھی برطانیہ نے ہی کیا تھا جس کے بعد سے مقبوضہ کشمیر کی طرح مقبوضہ فلسطین بھی مسلسل تباہی وبربادی میں مبتلا ہے۔ یہاں آئے دن نوجوانوں کو قتل کیا جارہا ہے اور ان کے گھروں کو مسمار کر دیا جاتا ہے۔ باپردہ خواتین کے ساتھ زیادتیاں کی جاتی ہیں۔

☆☆☆

ڈڈلی کی ایک بزرگ شخصیت کی وفات

ڈڈلی کی ایک بزرگ شخصیت اور ہماری مسجد کے نمازی حاجی حبیب الرحمٰن بھونیا بنگالی 86 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

نماز جنازہ جامع مسجد کوئیمس کراس ڈڈلی میں ڈاکٹر عبد الرب ثاقب نے پڑھائی جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک تھے، خواتین بھی کثیر تعداد میں شریک نماز تھیں۔ کونسلر ظفر اسلام، کونسلر شوکت علی، قاری عبد السلام عابد، فرزند محمد نور بھونیا اور مرحوم کے نواسے اور اقارب شریک تھے۔ ہر ایک زبان پر مرحوم کا ذکر خیر تھا، دعا ہے کہ اللہ کریم انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین

کر عمل ایسے جہاں میں گر تجھے کچھ ہے شعور
موت جب آئے جہاں جس حال میں کچھ ڈر نہ ہو

☆☆☆



لطف کی بات یہ ہے کہ اس اقتباس سے پہلے موصوف نے لکھا ہے:

اہل سنت والجماعت بلکہ تمام عقلاء کے نزدیک ہر فن میں اس فن کے ماہرین کی رائے معتبر ہوتی ہے، مثلاً ڈاکٹری مسئلہ میں ڈاکٹر کی، انجنیئرنگ کے مسئلہ میں انجنیئر کی، زراعت کے مسئلہ میں ماہر زراعت کی، گرامر میں ماہرین صرف و نحو کی، لغت میں ماہرین لغت کی رائے معتبر ہوگی اور احادیث کی صحت وضعف میں علم حدیث کے ماہرین کی رائے کا اعتبار ہوگا۔(بارہ مسائل۔ص9)

یہ پیرا ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالی نے موصوف سے غیر شعوری طور پر لکھوادیا ہے، بہ مصداق جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے، اس میں اعتراف ہے کہ احادیث کی صحت وضعف کے فیصلے یں محدثین کی رائے معتبر ہوگی کیونکہ وہی علم حدیث کے ماہر ہیں۔ اس پیرے سے، جو حقیقت پر مبنی ہے، چونکہ موصوف کے مذکورہ نقل شدہ پیرے کی تردید ہوتی ہے، جس میں اس کے برعکس فقہاء کے اجتہادی اصولوں کی روشنی میں مرتب شدہ فقہی مسائل کو احادیث کے مقابلے میں صحیح قرار دیا گیا ہے، اس لئے اپنی بات کو کسی طرح صحیح ثابت کرنے کے لئے ایک دم پینترا بدل لیا اور لکھا:

البتہ یہ بات خوب سمجھنی اور یاد رکھنی چاہیے کہ حدیث کے صحت وضعف کی دو قسمیں ہیں:

1۔ صحت وضعف بہ حسب السند،

2۔ صحت وضعف بہ حسب العمل۔ یعنی جو حدیث معمول بہ ہے وہ صحیح ہے اور جو حدیث متروک وغیر معمول بہ ہے، وہ ضعیف ہے۔ اسی معنی میں امام اعظم ابو حنیفہ نے امام اوزاعی کے ساتھ رفع یدین کے مناظرہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث کو ضعیف کہا تھا اور امام مالک نے رفع یدین کی تمام حدیثوں کو ضعیف کہا ہے (المدونۃ الکبری۔ج 1 ص 71) ورنہ حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث سنداً بالکل صحیح بلکہ اصح الاسانید ہے۔۔۔(بارہ مسائل۔ص8)

یہ مختصر پیرا غلطی ہائے مضامین کا آئینہ دار بلکہ مجموعہ اکاذیب ہے:

اولاً: صحت وضعفِ حدیث کی یہ دو قسمیں کس نے بیان کی ہیں؟ یہ اصول، اصول حدیث کی کس کتاب یا اصول فقہ کی کس کتاب میں بیان ہوا ہے؟ گھر بیٹھے تو احادیث کو رد کرنے کا اصول نہیں بنایا جاسکتا۔ نہ خانہ ساز اصولوں کی وجہ سے احادیث کو رد کرنے ہی کا کوئی جواز ہو سکتا ہے۔

ثانیاً: یہ دعوی کہ امام ابو حنیفہؒ نے بھی اسی معنی میں، یعنی اسی اصول کی بنیاد پر ایک مناظرے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ضعیف کہا تھا، یہ بھی سراسر جھوٹ ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مبینہ اصول امام صاحب ہی کا بنایا ہوا، یا کم از کم بیان کیا ہوا، یا ان کے علم میں تھا، اسی لئے انہوں نے اسے استعمال کر کے حدیث کو رد کر دیا، حالانکہ ہمارا دعوی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے نہ خود یہ اصول بنایا ہے، نہ اسے بیان کیا ہے، اور نہ ان کے علم ہی میں یہ تھا، کیونکہ ان کو تو احادیث رد کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی، البتہ ان کے دور تک احادیث کے مجموعے چونکہ مرتب ومدون نہیں ہوئے تھے، اس لئے بہت سی احادیث ان کے علم ہی میں نہ آسکیں، اور ان کو یہ کہنا پڑا کہ میری رائے کے خلاف جب تمہیں صحیح حدیث مل جائے تو سمجھنا یہی میرا مذہب ہے اور حدیث کے خلاف میری بیان کردہ رائے کو چھوڑ دینا۔ اس من گھڑت اصول کی ضرورت تو اس وقت پیش آئی جب تقلیدی جمود نے یہ انتہائی خطرناک صورت اختیار کر لی کہ برملا کہا جانے لگا۔

مرا از حدیث چہ کار۔ قول ابی حنیفہ بیار

مجھے حدیث سے کیا سروکار۔ مجھے تو ابو حنیفہ کا قول درکار ہے۔

یعنی جب احادیث صحیح سے جان چھڑانا، تقلیدی مذاہب کی ایک ناگزیر ضرورت بن گئی تو پھر مذکورہ قسم کے متعدد اصول گھڑ لئے گئے، تاکہ ان کی آڑ میں احادیث کو کنڈم بنانا آسان ہو جائے۔ مذکورہ اصول بھی ان ہی خانہ ساز اصولوں میں سے ایک ہے جو نہ امام ابو حنیفہ نے بیان کیا ہے، اور نہ ان کے تلامذہ امام محمد، قاضی ابو یوسف، امام زفر وغیرہ نے بیان کیا ہے اور یہی اصول نہیں، رد احادیث کے جتنے بھی اصول بنائے گئے ہیں ان میں سے کسی کی بھی نسبت مذکورہ ائمہ کے ساتھ ثابت نہیں کی جاسکتی۔

ثالثاً: امام ابو حنیفہ اور امام ابن المبارک کے درمیان جو مکالمہ یا مناظرہ ہوا، یہ صحیح سند سے متعدد کتابوں میں بیان ہوا ہے مثلاً تاویل مختلف الحدیث، لابن قتیبہ: ص54، کتاب السنۃ لعبد اللہ بن امام احمد: ص 68، تاریخ بغداد للخطیب ترجمہ نمبر 1248، جلد 3 ص 203۔ السنن الکبری للبیہقی۔ جلد 2 ص 82۔

جزء رفع الیدین للامام بخاری۔ التمہید لا بن عبد البر۔ جلد 5 ص 66۔ کتاب الثقات لا بن حبان جلد 8 ص 45۔ وغیرہ۔ کسی بھی کتاب میں یہ نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث رفع الیدین کو ضعیف کہا تھا، ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی وہ ملاحظہ فرمائیں۔ السنن الکبری کی روایت کا ترجمہ ہم پیش کرتے ہیں :

امام وکیع بیان کرتے ہیں کہ کوفے کی مسجد میں عبد اللہ بن مبارک نماز پڑھ رہے تھے، عبد اللہ بن مبارک رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے، اور ابو حنیفہ نہیں کرتے تھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے، تو ابو حنیفہ نے عبد اللہ بن مبارک سے کہا: اے ابو عبد الرحمن! میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ رفع الیدین کثرت سے کرتے تھے، کیا آپ کا ارادہ اڑنے کا تھا؟ عبد اللہ بن مبارک نے کہا: اے ابو حنیفہ! میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز کا آغاز کیا، تو رفع الیدین کیا، کیا آپ کا ارادہ اڑنے کا تھا؟

یہ سن کر امام ابو حنیفہ خاموش ہو گئے۔ (السنن الکبری۔ جلد 2 ص 82)

تاریخ بغداد میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

امام عبد اللہ بن مبارک نے امام ابو حنیفہ سے رکوع میں جاتے وقت رفع الیدین کے بارے میں پوچھا تو امام ابو حنیفہ نے فرمایا: کیا وہ اڑنا چاہتا ہے جس کے لئے وہ رفع الیدین کرتا ہے؟ امام وکیع فرماتے ہیں کہ امام ابن مبارک بہت عقل مند آدمی تھے، انہوں نے جواب دیا: اگر وہ پہلی مرتبہ رفع الیدین کرتا ہوا اڑا ہے تو دوسری مرتبہ بھی اڑ جائے گا۔ یہ جواب سن کر امام ابو حنیفہ خاموش ہو گئے اور کوئی بات نہیں کی۔ (تاریخ بغداد)

بہر حال یہ واقعہ جہاں بھی بیان ہوا ہے جن کے حوالے ہم نے بیان کر دیئے ہیں، کسی میں بھی یہ بات بیان نہیں ہوئی کہ امام ابو حنیفہ نے عبد اللہ بن عمر کی حدیث کو ضعیف کہا تھا۔ یہ بھی مذکورہ، شیخ الحدیث والتفسیر کا جھوٹ ہے۔

رابعاً: یہ بھی جھوٹ ہے کہ امام مالک نے المدونۃ الکبری میں رفع الیدین کی تمام حدیثوں کو ضعیف کہا ہے۔ ایسی کوئی بات مذکورہ کتاب میں نہیں۔ البتہ ان کی یہ رائے وہاں بیان ہوئی ہے کہ وہ اس عمل کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

علاوہ ازیں اس قول کا انتساب بھی امام مالک کی طرف صحیح نہیں ہے کیونکہ امام صاحب نے اپنی حدیث کی کتاب موطا میں حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث رفع الیدین بیان کی ہے جس میں رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع الیدین کا ذکر ہے۔ دیکھئے موطا امام مالک کتاب الصلوۃ حدیث 20، 16 باب افتتاح الصلوۃ۔

اس سے محققین کی اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ، المدونۃ الکبری، کا انتساب امام صاحب کی طرف مشکوک ہے کیونکہ جب انہوں نے خود اپنی اہم ترین کتاب موطا میں رفع الیدین کی حدیث بیان کی ہے تو وہ پھر اس عمل کو ضعیف کیونکر قرار دے سکتے ہیں؟

خامساً: اس پیرے کے آخری حصے سے، بلی تھیلے سے بالکل باہر آگئی، کے مصداق تقلیدی جمود بالکل واضح ہو کر سامنے آگیا ہے کہ عبد اللہ بن عمر کی حدیث رفع الیدین سنداً بالکل صحیح ہی نہیں، بلکہ اصح الاسانید ہے، لیکن بقول مولف بارہ مسائل، متروک اور غیر معمول بہ ہونے کی وجہ سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ضعیف ہے، مولف موصوف نے ان دو اماموں کا نام تو دھوکہ دہی کے لئے استعمال کیا ہے، کیونکہ ان آئمہ کو تو اس خانہ ساز اصول کا علم ہی نہیں تھا، نہ انہوں نے یہ اصول بنایا، اور نہ اسے کبھی استعمال ہی کیا ہے، پھر ان کی طرف مذکورہ بات کا انتساب کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟

یہ اصول تو خانہ ساز ہے اور مقلدین جامدین نے بنایا ہے، ورنہ کوئی سچا مسلمان یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ حدیث سنداً بالکل صحیح ہی نہیں بلکہ اصح الاسانید (صحیح ترین) ہو اور پھر اس کو متروک اور غیر معمول بہ سمجھ کر رد کر دے۔ آخر ایک صحیح ترین حدیث کو متروک اور غیر معمول بہ قرار دینے کا اصول اور ضابطہ کیا ہے؟ اسکا فیصلہ کون کریگا کہ یہ حدیث متروک ہے؟ بلکہ یہ فیصلہ کرنیکا کوئی بڑے سے بڑا امام مجتہد اور فقیہہ بھی مجاز ہے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ یہ حق کسی کو حاصل ہی نہیں کہ وہ ثابت شدہ ایک صحیح حدیث کو ناقابل عمل قرار دیکر رد کر دے۔

☆☆☆

پانی پلاؤ، گناہ دھلیں گے

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :

"تابعین میں سے بعض سمجھتے تھے کہ جس کے گناہ بہت زیادہ ہو جائیں، وہ پیاسوں کو پانی پلائے کیوں کہ اللہ نے ایسے انسان کو بخش دیا تھا جس نے ایک کتے کو پانی پلایا تو ایسے انسان کی بخشش کیوں نہ ہو گی، جس نے اپنے کسی مؤمن بھائی کو پانی پلا کے زندگی بخش دی۔" (تفسیر قرطبی : 215/7)

☆☆☆

جسے درود نصیب ہو جائے

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کی زبان پر نبی مکرم جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا آسان کر دیتا ہے۔"

(بستان الواعظین: 200/1)

